جمہوریت

کا جال

جمہوری نظام میں شرکت کی
جھوٹی امیدوں کا پردہ چاک کرتی ہوئی تحریر

تالیف

محمّد اِبرَاھِیم لَڈوِک

نوائے غزوۂ ہند

مطبوعات

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

نامِ کتاب	جمہوریت کا جال
مصنف کا نام	محمد ابراہیم لَڈوِک
تاریخِ اشاعت	۲۱ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۴۶ھ / ۱۸ جون ۲۰۲۵ء
ناشر	ادارہ نوائے غزوۂ ہند
برقی پتہ برائے رابطہ	editor@nghmag.com

جمہوریت کا جال

جمہوری نظام میں شرکت کی جھوٹی امیدوں کا پردہ چاک کرتی ہوئی تحریر

محمد ابراہیم لڈوک

نوائے غزوۂ ہند
مطبوعات

فہرست

حرفِ اول ۷

تعارف ۱۰

حصہ اوّل ۱۲

اسلام ۱۲

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸

عقیدہ ۲۲

تاریخ ۲۴

استحکام ۲۶

حصہ دوم ۲۸

جمہوریت کا جواز ۲۸

سیاست ۳۱

تہذیب ۳۴

شناخت ۳۷

ذرائع ابلاغ ۳۹

معیشت ۴۲

فوج ۴۵

تعلیم ۴۷

یکجہتی ۴۹

جغرافیہ ۵۲

قومیت ۵۵

جمہوریت اور تکفیر پر ایک ملاحظہ ۵۸

اختتامیہ ۶۱

حرفِ اول

الحمد لله وكفىٰ والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد!

جمہوریت...... دورِ جدید کا وہ دین جس کا محور و کعبہ بھی جمہور یعنی عوام یا لوگ ہیں اور اس کے گرد طواف کرنے والے بھی لوگ یا انسان ہی ہیں۔ جمہوریت کی پیدائش قدیم یونان میں ہوئی، بات تو اتنی ہی کافی ہے کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تمام ادیان اور تمام نظاموں اور تمام 'ازموں' کے باطل ہونے کا اعلان عرش و فرش پر ہو گیا، تو یونان میں چند انسانوں کی عقل سے پھوٹنے والا نظامِ جمہوریت بھی اس میں شامل ہے۔ دینِ جمہوریت کی نشأۃِ ثانیہ چند صدیوں قبل ہوئی اور حقیقتاً صدی قبل ہی اس کا احیاثم دنیا میں نفاذ ہوا۔ استبداد و استعمار کی محنتوں اور مسلمانوں کے اجتماعی اعمال کے نتیجے میں خلافت کے سقوط کے بعد اس جدید جمہوریت کا غلغلہ دنیا میں ہو گیا۔ پرایوں نے اس نظام کو ہم پر مسلط کیا اور اپنوں لیکن پرایوں کے غلاموں نے اس کو بزور نافذ کیا۔ بقول حضرت اکبرؔ الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ:

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

دورِ جدید میں بارود و گولی کے زور پر اس جمہوریت کو نافذ کیا گیا۔ پھر جدید ریاستوں، الیکشن، کونسلوں، ممبریوں کے شور میں قائم فضا میں ہم بھی یہی سمجھ بیٹھے کہ جمہوریت ہی انسانیت کے لیے نجات دہندہ نظام ہے اور غلبۂ اسلام بھی اب ہو گا تو اسی سے، بلکہ ہم قرونِ اولیٰ کو بھی جمہوریت کی اوج سنتے، بتاتے، ثابت کرتے رہے اور بھول ہی گئے کہ خلافتِ راشدہ یا سلطنتِ عادلہ بھی کوئی نظام ہوتا ہے۔

بھلا ہو علمائے حق، داعیانِ دین اور مجاہدینِ اسلام کا، جنہوں نے وسائل کی شدید کم یابی کے باوجود 'پرانے چراغوں' کو جلائے رکھا اور دیے سے دیا جلانے کا سلسلہ باقی رکھا اور آج جمہوریت کے 'اسلامی' ہونے کے متعلق جو تصوارات امت میں دو دہائیاں قبل تھے، وہ نسبتاً کمزور پڑ چکے ہیں۔

یہ زمانہ اسلام کے عروج کا زمانہ ہے، ثم تكون خلافة على منهاج النبوة کی پیشین گوئی پوری ہونے کا زمانہ۔ پیشین گوئی خود تو ایک معجزہ ہوتا ہے، لیکن لازمی نہیں کہ پیشین گوئی کا اتمام بھی کسی معجزے ہی کی صورت ہو اور اگر یہ معجزہ رونما ہونا بھی ہو تو اس سے یہ تو لازمی نہیں آتا کہ ہم اپنی اس خلافتِ اسلامیہ کی منزل کی خاطر جد و جہد کسی معجزے کے انتظار میں ترک کر دیں۔ جب خلافت علی منہاج النبوۃ نے قائم ہونا ہے تو ہم کیوں اس کی خاطر آج اپنے آپ کو علی منہاج النبوۃ دعوت و جہاد میں مصروف نہ کریں؟

اس مصروفیت برائے حق کے لیے لازمی ہے کہ ہم حق کے ساتھ ساتھ باطل کو بھی سمجھیں۔ زیرِ نظر تالیف 'جمہوریت کا جال' اختصار کے ساتھ سیاسی، تہذیبی، تعلیمی، اعلامی، تاریخی، جغرافیائی، عسکری و دیگر پہلوؤں پر بات کرتے ہوئے نظامِ جمہوریت کے فساد کو بیان کرتی ہے۔ یہ تالیف جناب محمد ابر ہیم لڈوک صاحب کی ہے، جو تقریباً دو سال قبلہ مجلّہ نوائے غزوۂ ہند میں قسط وار شائع کی گئی اور اب یک جا کر کے استفادۂ عوام و خواص کے لیے پیش کی جا رہی ہے۔

محمد ابراہیم لَڈوِک (زید مجدہ) ایک نو مسلم عالمِ دین ہیں جنھوں نے عالَمِ عرب کی کئی جامعات میں علم دین حاصل کیا۔ موصوف نے کفر کے نظام اور اس کی چالوں کو خود اسی کفری معاشرے اور نظام میں رہتے ہوئے دیکھا اور اسے باطل جانا، ثم ایمان سے مشرف ہوئے اور علمِ دین حاصل کیا اور حق کو علی وجہ البصیرۃ جانا، سمجھا اور قبول کیا، پھر اسی حق کے داعی بن گئے اور عالَمِ کفر سے نبرد آزما مجاہدین کے حامی اور بھرپور دفاع کرنے والے بھی بن گئے (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ انہی کے الفاظ میں:

> ''میرا نام محمد ابراہیم لَڈوِک ہے (پیدائشی طور پر الیگزانڈر نیکولئی لڈوک)۔ میں امریکہ میں پیدا ہوا اور میں نے علومِ تاریخ، تنقیدی ادب، علمِ تہذیب، تقابلِ ادیان، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ بعد از نو آبادیاتی نظام، اقتصادیات، اور سیاسی اقتصادیات امریکہ اور جرمنی میں پڑھے۔ یہ علوم پڑھنے کے دوران میں نے ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر تحقیق کی جو دنیا کو متاثر کیے ہوئے ہیں اور

اسی دوران اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جو حقیقتاً اور بہترین انداز سے ان مسائل کا حل لیے ہوئے ہے اور یوں میں رمضان ۱۴۳۳ھ میں مسلمان ہو گیا۔‘‘

اللہ پاک ہمیں اور ہمارے بھائی محمد ابراہیم لڈوک کو استقامت علی الحق عطا فرمائے، آمین۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام، سیکولر ازم، جمہوریت، اقامتِ دین و خلافت کی اہمیت و فرضیت اور دیگر موضوعات پر آپ کی تحریرات لائقِ استفادہ ہیں۔ ادارہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ شیخ محمد ابراہیم لَڈوِک (حفظہ اللہ) کی انگریزی تالیف ’The Democracy Trap‘ کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ یہ ترجمہ بھائی محمد ہشام عباسی نے کیا ہے اور ہمارے ساتھی علی بن منصور نے اس ترجمے کی نظرِ ثانی کی ہے اور سلاست پیدا کی ہے، جزاھما اللہ خیراً کثیراً!

و صلی اللہ تعالیٰ علی النبی، وآخر دعوانا أن الحمدللہ ربّ العالمین

مدیر

ادارہ ’نوائے غزوۂ ہند‘

۲۱ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۴۶ھ / ۱۸ جون ۲۰۲۵ء

تعارف

تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ نفس اور اعمالِ بد کے شر سے اللہ ہی کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ جسے ہدایت دے دیں اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ گمراہ کر دیں، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

جمہوریت کیوں اسلام کے ساتھ میل نہیں کھاتی، اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور اب اس حقیقت میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ جانا چاہیے کہ جمہوریت شرک کی ایک قسم ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا ایک حق (قانون سازی) انسانوں کو تفویض کر دیا جاتا ہے۔

یہ کتاب اختصار کے ساتھ ایسی متعدد وجوہات کا تذکرہ کرتی ہے کہ جن کی بنا پر اسلام اور جمہوریت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور پھر مزید ان نکات پر بھی روشنی ڈالتی ہے جن سے بعض مسلمان اُس ''مصلحت'' کی آڑ میں صرفِ نظر کر جاتے ہیں جسے وہ جمہوری نظام میں داخل ہوتے ہوئے وجہِ جواز بناتے ہیں۔

اس تحریر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ ان بنیادی خرابیوں سے متعلق ہے جو جمہوریت میں بطور ایک حکومتی نظام موجود ہیں، تا کہ اس کے اسلام کے ساتھ مکمل طور پر ناموافق ہونے اور غیر شرعی ہونے میں کوئی شک نہ رہے۔ چونکہ اس پر پہلے سے تفصیلی بحثیں موجود ہیں اس لیے یہ حصہ بنیادی طور پر ایک تنقیدی جائزے کے طور پر ہو گا۔ جبکہ دوسرا حصہ بعض لوگوں میں پائے جانے والے اس خیال کہ: ''بلاشبہ جمہوریت غیر اسلامی ہے، مگر اس کو اسلامی اہداف و عزائم پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، نیز یہ کہ بحالتِ مجبوری اور مسلمانوں کے ضعف کے سبب اس کی اجازت ہے''، پر بحث و گفتگو کرتا ہے۔ مزید اس میں جمہوریت کے ان چند پہلوؤں، اس کے طریقۂ کار اور ان مضر اثرات کے بارے میں بھی بات کی گئی ہے جن سے اکثر مسلمان لاعلم ہو سکتے ہیں، جو یہ واضح کرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اگر یہ مفروضہ مان لیا جائے کہ مجبوری میں جمہوریت کو اختیار کرنے کا جواز موجود ہے، تو بھی

اس میں شمولیت کے نقصانات بالآخر اس سے حاصل ہونے والے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ یوں یہ امر اس کو ناجائز بنا دیتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے تو بس یہی کافی ہے کہ وہ قرآن و سنت کو سمجھیں اور جس حد تک ممکن ہو، اس کے نفاذ کے لیے جدوجہد کریں۔ لیکن متعدد وجوہات کی بنا پر آج کئی مسلمان یہ سمجھتے ہوئے کہ اصل اسلامی تعلیمات آج کے جدید دور کے لیے ناقابل عمل اور غیر موزوں ہیں، قرآن و سنت کی اتباع سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دور جدید کا تو خاصہ ہی بدعنوانی و فساد ہے، سو اس کے موافق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرنا کوئی دانش مندی نہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اِن حقیقتوں کو واضح کر سکے گی اور اُن جھوٹی امیدوں کو بھی رفع کرے گی جو شیطان نے مسلمانوں کے سینوں میں بسا رکھی ہیں، تاکہ نہ صرف یہ کہ مسلمان اس جمہوری نظام کا حصہ بننے سے باز رہیں بلکہ ان کا یہ ایمان بھی مضبوط ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کا بہترین و کامل ترین راستہ ہے۔

جدیدیت تو بس ایک امتحان اور آزمائش کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ کا ہم سے وعدہ ہے کہ ہر وہ عمارت جس کی بنیاد باطل پر قائم ہو گی اس نے نیست و نابود ہو کر رہنا ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ سود سے کمایا گیا مال ضائع ہو کر رہے گا۔ اگر ہم آج کے اس نیو ورلڈ آرڈر کے مقابلے پر نہ بھی نکلے، تو بھی اللہ کے وعدے کے مطابق اس عمارت نے زمیں بوس ہو کر رہنا ہے۔

اللہ نے ہمیں کفار سے لڑنے کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ ہم اپنی کوششوں اور قوت سے انہیں شکست دیں...... کہ بلاشبہ فتح تو اللہ کی طرف سے ہی آتی ہے نہ کہ ہماری قوت کے بل پر...... بلکہ اللہ نے ہمیں کفار اور ان کے مظالم کے خلاف لڑنے کا حکم ہمارے اپنے فائدے اور ہمارے نفوس کی پاکیزگی کے لیے دیا ہے۔

کفر کے ساتھ مفاہمت یا سمجھوتہ کر کے اور اسے اپنا کر کبھی کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی، خواہ یہ مفاہمت جزوی ہو یا محض ظاہری۔ بلکہ ہمیں کامیابی صرف اسی صورت میں ملے گی جب ہم کفر کو مکمل طور پر رد کر کے، اس سے مکمل برأت کا اظہار کریں اور اسلام کو مکمل طور پر اپنا لیں۔

حصہ اوّل

اسلام

......فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ۝

''بس اب فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔''[1]

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

''اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کرتے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کے لیے ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''[2]

'حکم' جس کا ترجمہ بعض اوقات 'امر' اور 'فیصلہ' بھی کیا جاتا ہے، اس سے مراد قانون سازی یا فیصلہ سازی ہے۔ عربی زبان کے لفظ 'حکومۃ' کا ماخذ بھی یہی ہے۔ اللہ کے فیصلے ظاہری و غیبی ہر دو طرح کے معاملات میں سب سے برتر ہیں۔

احکامات کی تعمیل بھی عبادت ہی ہے۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

''کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔ اگر فیصلے کے

---

[1] سورة الغافر :١٢

[2] سورة يوسف: ٤٠

دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ہی) ان میں فیصلہ کر دیا
جاتا۔ یقیناً (ان) ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب
ہے۔"[3]

اس آیت میں لفظ 'شَرَعُوا'، (یعنی قانون سازی) مذہب کے سیاق میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا اطلاق ہر طرح کی قانون سازی پر ہوتا ہے کیونکہ اسلام ایک طریقِ حیات ہے جس کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ہے۔ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ دینُ اللہ کی پیروی تو نہیں کرتے جو اللہ نے ان کے لیے نازل کیا ہے بلکہ جن و انس میں سے ان کے شیاطین انہیں جو احکام دیتے ہیں، یہ ان کی اتباع کرتے ہیں۔ انہوں نے بعض چیزوں کو از خود (اپنے اوپر) حرام کر لیا جیسے بحیرہ، سائبہ، وسیلہ اور حام۔ اسی طرح انہوں نے اپنے لیے مردار جانوروں کا گوشت کھانا، جوا کھیلنا اور دیگر اقسام کی اختراعات، گمراہی اور جہالت کو اپنے لیے حلال کر لیا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں انہوں نے جہالت میں از خود ایجاد کیا۔ حلال و حرام کے لیے ہر قسم کے باطل احکام گھڑے اور عبادات کے طریقے اور دیگر باطل تصورات تراشے۔"[4]

بغیر کسی واضح اور مستند الہامی علم کے حلال و حرام کے بارے میں احکامات وضع کرنا جاہلیت کی ایک صفت ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم

[3] سورة الشورىٰ: ٢١

[4] تفسير ابن كثير: سورة الشورىٰ:٢١

دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔"[5]

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"عدی، جو اپنی قوم (قبیلہ طے) کے سرداروں میں سے ایک تھے اور جن کے والد حاتم الطائی اپنی سخاوت کے لیے مشہور تھے، مدینہ آئے۔ جب لوگوں نے ان کی آمد کا اعلان کیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: 'ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے'۔

عدی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: 'وہ اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کرتے تھے'۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا 'بلى إنهم حرموا عليهم الحلال وأحلوا لهم الحرام فاتبعوهم فذلك عبادتهم إياه.' 'کیوں نہیں، وہ (علماء اور درویش) ان کے حلال کو حرام قرار دیتے اور حرام کو حلال ٹھہراتے، اور وہ (یہود و نصاریٰ) ان کی اتباع کرتے تھے، یہی ان کی عبادت تھی'۔"[6]

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؀

"اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، (یاد رکھو) اللہ تعالی اور اس کے رسول

[5] سورة التوبة: ٣٠

[6] تفسیر ابن کثیر: سورة التوبة: ٣٠

کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔"[7]

یہاں ایمان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر تسلیم و رضا کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ یہ ایمان کا جزو ہے کہ ہر قسم کے حالات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں کو حرف آخر مانا جائے۔ اس طرز عمل کا اطلاق ان فیصلوں پر بھی ہو جو سرے سے ہماری سمجھ سے ہی باہر ہوں۔

مثال کے طور پر جب حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو اُس مہم پر روانہ کیا جس کا فیصلہ خود حضور ﷺ فرما چکے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد متعدد عرب قبائل مرتد ہو کر باغی ہو گئے تھے۔ تو انہی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض مسلمانوں نے رائے دی کہ فی الحال اس مہم کو مؤخر کر دیں، کیونکہ اس صورت میں مدینہ غیر محفوظ ہو جائے گا۔

لیکن ابو بکرؓ نے ان سب اعتراضات کو رد کرتے ہوئے آپ ﷺ کے فیصلے پر عمل درآمد کرنے پر زور دیا کیونکہ آپؓ کی نظر میں حضور ﷺ کا فیصلہ ہر رائے پر مقدم تھا، بے شک حالات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہو گئے ہوں۔ وقت نے آپؓ کے اس فیصلے کو صحیح ثابت کیا۔

حضرت علیؓ کا یہ قول بھی اسی طرز عمل کی عکاسی کرتا ہے جب انہوں نے فرمایا:

لو كان الدين بالراي لكان اسفل الخف أولى بالمسح من أعلاه و قد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح على ظاهر خفيه۔

"اگر دین رائے اور قیاس پر مبنی ہوتا تو موزوں کا نیچے والا حصہ اوپر والے کی بہ نسبت مسح کا زیادہ مستحق ہوتا، مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنے موزوں کے اوپر ہی مسح کیا کرتے تھے۔"[8]

---

[7] سورة الاحزاب: ٣٦

[8] سنن ابی داود حدیث: ١٦٢

اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کسی بات کا حکم دے دیں تو ہم پر اس کی اطاعت لازم ہے، خواہ اس کی حکمت ہمیں سمجھ آئے یا نہیں۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واضح احکامات کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح دینا تو کفر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝

"کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعوی تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔"[9]

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔ یہ ان سب کی مذمت کرتی ہے جو فیصلہ کرتے ہوئے کتاب و سنت سے رجوع کرنے کے بجائے اپنی مرضی اور پسند کے کسی باطل فیصلے کو ترجیح دیں، اور یہاں پر 'طاغوت' سے یہی مراد ہے۔"[10]

'طاغوت' کا ایک معنی وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں کی بنیاد قرآن و سنت سے ہٹ کر کسی اور چیز کو بناتے ہیں۔ یہ آیت اس چیز پر مزید دلالت کرتی ہے کہ وحیٔ الٰہی کے مطابق اپنے فیصلے کرنا ایمان کا خاصہ ہے جبکہ اس سے منہ موڑنا کفر کا۔

---

[9] سورة النساء: ٦٠

[10] تفسير ابن كثير: سورة النساء:٦٠

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

"کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالی سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟"[11]

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے جس کی ابتدا یونان کی شرکیہ تہذیب سے ہوتی ہے، جس میں قوانین انسانی خواہشات کے مطابق مرتب کیے جاتے ہیں نہ کہ وحی الٰہی کے مطابق۔ جمہوریت تو بلا شک وشبہ جاہلیت کے اندھیروں کی طرف واپسی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝

"اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔"[12]

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت کسی پختہ علم کی بنیاد پر فیصلے نہیں کرتی بلکہ وہ محض اپنے اندازوں اور قیاسوں کے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں۔ اصل میں تو جہالت اور لاعلمی یہی ہے۔ عام عوام چونکہ کم علم ہوتے ہیں لہٰذا یہ لازم نہیں ہے کہ وہ فیصلہ سازی کے اہل ہوں۔ اسلام میں سیاست کے لیے تقویٰ اور راست بازی بھی مطلوب ہیں، جبکہ جمہوریت میں یہ حق صرف شہریت کی بنیاد پر ہی دے دیا جاتا ہے، جس میں فاسق و فاجر دونوں کو ہی برابر حق دیا جاتا ہے۔

اس لیے یہ واضح ہونا چاہیے کہ جمہوریت شرک کی ایک قسم ہے، جہاں ایک ایسا حق جو اللہ تعالی کے لیے خاص ہے اور عبادت کا جزو ہے، وہ غیر اللہ کو سونپ دیا جاتا ہے۔ لوگوں کی مجموعی خواہشات کو انتخابات کے ذریعے قانون سازی کے لیے ایک جگہ اکٹھا کیا جاتا ہے اور پھر اطاعت کی صورت میں ان کی عبادت کی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ، صرف یہی

[11] سورة المائده: ٥٠

[12] سورة الانعام: ١١٦

نہیں کہ اللہ کا حق انسانوں کو سونپا جاتا ہے بلکہ جمہوریت جس طرز پر چلتی ہے، وہ بذات خود اس طریق حکومت سے متضاد ہے جو اللہ نے ہمارے لیے مقرر کیا ہے۔

یہاں کچھ لوگ حکومت کے انتظامی اور قانونی شعبوں میں فرق کرتے ہیں، اور قانون سازی کے لیے رائے شماری کو تو شرک مانتے ہیں لیکن اس کے علاوہ دیگر معاملات جیسے صدر وغیرہ کے انتخاب کے لیے اس کو ٹھیک مانتے ہیں۔ جبکہ یہ درست نہیں ہے، کیونکہ یہ صدر یا حکومت کا انتظامی شعبہ ہی ہوتا جن کے ذمے مقنّنہ کی طرف سے بنائے گئے قوانین کو نافذ کرنا ہوتا ہے، اور اکثر جمہوریتوں میں تو انتظامیہ مقنّنہ کی طرف سے قانونی طور پر اس بات کی بھی پابند ہوتی ہے کہ وہ دستور کی پاسداری کریں۔

بعض اوقات تو صدر کے پاس 'ویٹو' کا اختیار بھی ہوتا ہے، جس سے وہ مقنّنہ کی طرف سے منظور شدہ کسی بھی قانون کو نافذ العمل ہونے سے روک سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قانون سازی کا کچھ نہ کچھ اختیار اب بھی صدر یا سربراہ حکومت کے پاس موجود ہے۔ مثال کے طور پر اگر قانون ساز ادارہ کسی ایسے قانون کو منظور کرتا ہے جو عین شرعی ہو، جیسے شراب پر پابندی کا، تو صدر کے پاس اختیار ہے کہ وہ اس کو نافذ ہونے سے روک دے۔

اسلامی نظام میں کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے نازل کردہ کسی قانون کو بدل سکے، کیونکہ یہاں حکومت اللہ تعالیٰ کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوتی ہے۔ یہی اسلام ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی جمہوری پارلیمنٹ اور صدر یا وزیر اعظم کسی ملک کے تمام قوانین کو شریعت کے تابع کر دیں، تب بھی وہ شرک ہی رہے گا۔ کیونکہ اس صورت میں شریعت کی پاسداری اس لیے کی جائے گی کہ وہ حکومت کا فیصلہ ہے، نہ کہ اس لیے کہ وہ اللہ کا قانون ہے۔

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بعض علمائے کرام کا قول ہے کہ:

ما بني على باطل فهو باطل.　　”جس چیز کی بنیاد باطل ہو، وہ خود بھی باطل ہے۔“

جس کا آغاز صحیح منہج پر نہ ہوا ہو، اس کا انجام بھی صحیح طریق پر نہیں ہو سکتا اور کسی بھی منہج کے صحیح یا غلط ہونے کا پیمانہ اس کا کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے مطابقت رکھنا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ ’يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ‘ وَقَالَ ’يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ‘ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ.“

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک (مال) کے سوا (کوئی مال) قبول نہیں کرتا اللہ نے مومنوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **’اے پیغمبرانِ کرام! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو جو عمل تم کرتے ہو میں اسے اچھی طرح جاننے والا ہوں‘**[۱۳] اور فرمایا: **”اے مومنو! جو پاک رزق ہم نے تمہیں عنایت فرمایا ہے اس میں سے کھاؤ“**۔[۱۴] پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے، اس کے بال پراگندہ اور جسم غبار آلود ہے۔ دعا کے لیے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے (اور کہتا ہے) اے میرے رب! اے میرے رب! جبکہ اس کا کھانا حرام کا ہے اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے اور اس کو غذا حرام کی ملی ہے تو اس کی دعا کیونکر قبول ہو گی؟“[۱۵]

[۱۳] سورة المؤمنون: ٥١

[۱۴] سورة البقرة: ١٧٢

[۱۵] صحيح مسلم حديث: ١٠١٥

اسلام میں عملِ حکومت بھی مراسمِ عبودیت میں شامل ہے۔ عبادات خلوص و پاکیزگی کی متقاضی ہوتی ہیں۔ عبادت کا ایک ایسا عمل جس میں کسی بھی اعتبار سے حرام عناصر کی آمیزش ہو، اللہ کے ہاں قابل قبول نہ ہو گا۔

عالَمِ اسلام کے عظیم عالم عبد اللہ بن مبارکؒ ایک مرتبہ جہاد کی عظیم عبادت کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ راستے میں ایک چشمے کے کنارے آپؒ نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑھ کر گھوڑا اس کے ساتھ باندھا اور وضو و نماز کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ آپ کا گھوڑا کسی کی کھیتی میں منہ مار رہا تھا۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا، "یہ اس میں سے کھا چکا ہے جو اس کے لیے حلال نہ تھی، لہٰذا اب اسے جنگوں میں استعمال کرنا مناسب نہیں"۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ گھوڑا کھیتی کے مالک کے حوالے کیا اور اپنے لیے ایک نیا گھوڑا خرید کر سفر پر روانہ ہوئے۔[16]

سورۃ الکافرون کی تفسیر یہ واضح کرتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے پوری ایک سورۃ اس مضمون پر نازل کر دی جب قریش نے نبی ﷺ کو طاقت و اختیار میں شراکت کی پیشکش کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ نصف وقت صرف اللہ کی عبادت کیا کریں گے اور باقی وقت اپنے بتوں کی، اور اس کے ساتھ نبی ﷺ کو سیاسی قوّت و اقتدار کا مقام و عہدہ عطا کریں گے۔

یقیناً آپ ﷺ اسلام کی ترویج کے لیے اس عہدے کا بہترین استعمال کر سکتے تھے، مگر آپ ﷺ نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ حالانکہ یہ وہ دور تھا جب مسلمان معاشی بائیکاٹ اور جسمانی تشدد سمیت مختلف مصائب میں گھرے ہوئے تھے، اور یہ پیشکش قبول کر کے آپ ﷺ ان کی خلاصی کروا سکتے تھے۔

اس سب کے باوجود آپ ﷺ نے انکار کیا کیونکہ اللہ کو بندگی میں پاکیزگی و اخلاص مطلوب ہے جو کہ نجاست و غلاظت سے علیحدہ ہونے سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ اسی میں شامل ہو جانے سے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

[16] *The Life of Abdullah ibn al-Mubarak* by Farhia Yahya، ص:۴۳

الإسلام يعلو ولا يعلى عليه

"اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے، مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔"[۱۷]

جب آپ ﷺ نفاذ و غلبۂ اسلام کے کام کے لیے اٹھے، تو آپ ﷺ نے اس کام کے لیے ایسے ساتھیوں کو تلاش کیا جو ہر حال میں اسلام کا غیر مشروط ساتھ دیتے۔ آپ ﷺ کو بنو بکر بن وائل اور بنو شیبان بن ثعلبہ کی حمایت قبول کرنے کا موقع و اختیار بھی حاصل تھا، مگر ان دونوں قبائل نے اپنی حمایت و نصرت کو فارسیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے سے مشروط کر رکھا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے نصرت کی یہ پیشکشیں قبول نہیں کیں باوجود اس کے کہ اس وقت آپ ﷺ انتہائی مشکلات و مصائب کا سامنا کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ ایک بہترین موقع تھا کہ آپ ﷺ معمولی مفاہمت کے بدلے مسلمانوں کو مشکلات اور تنگ دستیوں سے نجات دلا سکتے تھے۔ مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ انتظار فرمایا، یہاں تک کہ انصار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی طرف سے مکمل طور پر **غیر مشروط** اعانت کی پیشکش نہ آ گئی۔

لہٰذا یہ پوری منطق اور یہ استدلال ہی سنت سے متصادم ہے کہ جمہوریت کو استعمال کرتے ہوئے اسلامی مقاصد و اہداف کو حاصل کرنے کی سعی کی جائے، کیونکہ یہ ایک ایسی کوشش ہے کہ جس میں آپ ایک ایسی غیر اسلامی قوت کے تابع رہتے ہوئے خدمتِ اسلام سر انجام دینے کی کوشش کر رہے ہیں جو خود کو مقام و مرتبے کے اعتبار سے اسلام سے بلند تر گردانتی ہے۔ جب آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم مل گیا تو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب سے اصول و قوانین کا نزول شروع ہوا۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم روزِ آخر تک ان قوانین کے نفاذ کی مقدور بھر کوشش جاری رکھیں اور ہجرت کا حکم بھی اُس وقت تک زندہ رہے گا۔

[۱۷] البیہقی ج:۵، ص:۱۰۶۔۱۰۸

اس ہجرت سے مراد دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف منتقلی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسے خطۂ زمین کی طرف منتقل ہونا جہاں اسلام سے بالا کوئی قوت نہ ہو، اور جہاں اسلام کسی بھی دوسری قوت کے تابع نہ ہو۔ اگر کسی ملک میں اسلام انسانی حاکمیت کے تابع ہو گا تو اس نظام حکومت کو کسی بھی صورت میں اسلامی نہیں کہا جائے گا۔

یہاں پیشِ نظر اسلام کا نفاذ اور اس کی توسیع ہے، اور ہجرت اسلام کو قوت فراہم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قریش مکہ مسلمانوں کی ہجرت کی راہ میں رکاوٹ بنتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی کفار مسلمانوں کو ان علاقوں کی طرف ہجرت سے روکتے ہیں جہاں اسلام کا غلبہ ہو۔

کامیابی اتباعِ سنت ہی سے حاصل ہو گی، کیونکہ یہ راستہ نبی آخر زماں ﷺ کا راستہ ہے۔ جو کوئی بھی اس کے علاوہ کسی راستے کا انتخاب کرے گا تو یہ راستہ اس کو ایسی منزل کی طرف لے جائے گا جو نبی ﷺ کی منزل نہ ہو گی۔

عقیدہ

یونانی اور دیگر کئی مشرکانہ دیومالائی داستانیں خدا کی ذات کا ایسا تصور پیش کرتی ہیں کہ گویا معاذ اللہ خدا کے انسانوں کے ساتھ تعلقات ہوں اور اس سے اولادیں بھی ہوں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعض انسانوں کو باقی انسانوں سے زیادہ مقدس تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسانوں کو قانون و شریعت کا منبع و ماخذ سمجھ کر ان کی طرف رجوع کرنے کی نظریاتی داغ بیل پڑتی ہے۔

عیسائیت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی خدا قرار دے کر عبد اور الٰہ کے تصور کو خلط ملط کرتی ہے۔ اگر کوئی شخص ایک دفعہ اس نظریے کو اپنا لے کہ کوئی انسان ہی خدا بھی ہے، تو پھر یہ اس کے لیے انسانوں کی بندگی کرنے کو بہت آسان کر دیتا ہے، اور اس بندگی میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ تسلیم کر لیتا ہے قانون وشرع وضع کرنے کا حق محض اللہ کا نہیں، بلکہ کسی انسان کو بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

نظریاتی سطح پر دیکھا جائے تو جمہوریت کی بنیاد شہریت کے اصول پر ہے۔ حقیقی یونانی جمہوریت میں صرف ریاست کے شہریوں کو یہ حق حاصل ہوتا تھا کہ وہ سیاست میں حصہ لے سکیں، اور ایک غیر ملکی کبھی بھی شہریت حاصل نہیں کر سکتا تھا، اس بات سے قطع نظر کہ وہ یا اس کا خاندان کتنے ہی عرصے سے یونان میں کیوں نہ آباد ہو۔

آج کل کے دور میں بھی شہریت کے تصور کو جائے پیدائش یا نسلی خطوط پر استوار کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مشرک کو بھی کم و بیش اتنے ہی حقوق حاصل ہوں گے جتنے کسی مسلمان کو ہیں، اور تقویٰ اور راست بازی کسی کے سیاسی شمولیت کے حق پر اثرانداز نہیں ہو سکتی سوائے ہر ملک کے (قابلِ ترمیم) دستور و قانون کے مطابق بعض استثنائی صورتوں میں۔

یہ اس نقطۂ نظر کا قدرتی نتیجہ ہے کہ جو اس سوچ کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ بعض انسان طبعی و فطری طور پر دیگر سے زیادہ افضل و مقدس ہیں۔ یہاں (یعنی تصورِ جمہوریت میں) یہ باور کرایا جاتا ہے کہ شہریوں کو غیر شہریوں پر قدرتی برتری حاصل ہے، اور اس برتری کا سبب ان کا خاندان اور وطن ہے (یعنی ان کا علاقائی یا مقامی ہونا)، نہ کہ مذہب۔ اس کے برعکس اسلام اس چیز پر زور دیتا ہے کہ تمام انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ کہ ہم سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے یکساں طور پر غلام ہیں۔

مذہب اور کردار کے بجائے حسب نسب اور قوم و نسل کی بنیاد پر ایک مخصوص گروہ کو برتر تصور کرنا اسلام سے پہلے کے تاریک دور جاہلیت کی ایک اہم صفت رہی ہے۔

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ الْمُؤَذِّنُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عُتَيِّ بْنِ ضَمْرَةَ قَالَ:رَأَيْتُ عِنْدَ أُبَيٍّ رَجُلاً تَعَزَّى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ، فَأَعَضَّهُ أُبَيٌّ وَلَمْ يُكْنِهِ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ أَصْحَابُهُ، قَالَ: كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمُوهُ؟ فَقَالَ: إِنِّي لاَ أَهَابُ فِي هَذَا أَحَدًا أَبَدًا، إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: مَنْ تَعَزَّى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَعِضُّوهُ وَلا تَكْنُوهُ۔

”جناب عتی بن ضمرہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے آپ کو جاہلیت کی طرف منسوب کر رہا تھا، سیدنا ابی رضی اللہ عنہ نے اسے صاف گالی دی اور کنایہ نہ کیا، لوگ ان کی طرف تعجب سے دیکھنے لگے۔ انہوں نے فرمایا: گویا کہ تم میری بات کو نامناسب سمجھ رہے ہو؟ پھر فرمایا: میں

اس بارے میں کبھی کسی سے نہ ڈروں گا کیونکہ میں نے
رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص
جاہلیت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اسے
گالی دو اور کنایہ اختیار نہ کرو۔"[18]

'جاہلیت کی طرف منسوب کرنا' یاتَعَزّٰی بِعَزَاءِ، سے یہاں مراد تکبر سے اپنے نسب پر فخر کرنا ہے۔ یہ جاہلیت کا جزو لاینفک ہے، جدھر لوگ اپنے نسب کی بنیاد پر خود کو دوسروں پر افضل سمجھیں۔

تاریخ

مغربی تہذیب کی جڑیں رومی اور یونانی تہذیب میں گڑی ہیں، اور وہ اس چیز کو فخر کا باعث سمجھتے ہیں۔ یورپی مؤرخین مذہبِ عیسائیت کے زوال کو "روشن خیالی" کا نام دیتے ہیں اور مذہب و اخلاقیات کے ترک کو ترقی کی علامت سمجھتے ہیں۔ اسی ترکِ عیسائیت کا ایک حصہ جمہوریت کا احیا تھا۔

وہ جس چیز کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں وہ یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ کہ جس پر لوگوں کی خواہشات کی حکمرانی ہو وہ لامحالہ تنزلی کا شکار ہو جاتا ہے۔ لوگ تو اپنے پیٹ اور شرم گاہ کی خواہشوں کے مطابق ووٹ دیتے ہیں، اور ہر اس شخص کو منتخب کرتے ہیں جو انہیں روٹی اور تفریح فراہم کرے۔ زوال پذیر اور فضول خرچ معاشرے عوام الناس کی کبھی نہ پوری ہونے والی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش میں دستیاب وسائل نہایت تیزی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ بالآخر ایسی آبادیاں پُر تعیش اور مسرفانہ طرزِ زندگی کے باعث کمزور ہو جاتی ہیں اور آہستہ آہستہ وسائل کی دستیابی بھی کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ معاشرے کی تباہی کی صورت میں نکلتا ہے۔

[18] ادب المفرد ،باب: ٩٦٣

پہلی بڑی جمہوریت جمہوریہ روم تھی۔ سینکڑوں سالوں کے اسراف وضیاع پر مبنی طرزِ زندگی کا یہ نمونہ آخر کار تنزل کا شکار ہوا اور یورپ میں مزید قابلِ عمل نہ رہا۔ سماجی اور ماحولیاتی تنزل کے اس عرصے میں جمہوریت مزید قابلِ عمل نہ رہی اور اسی لیے ترک کر دی گئی۔ یورپ میں جمہوریت صرف تب ہی دوبارہ قابل عمل بن پائی جب یورپیوں نے یورپ سے باہر مختلف علاقوں پر قبضے کر کے انہیں اپنی نو آبادیاں بنانا شروع کیا جس سے ان کے وسائل میں اضافہ ہوا۔ اب البتہ پھر سے وہی مسرفانہ طرز زندگی جو کبھی قدیم رومی سلطنت کا خاصہ ہوا کرتی تھی، پوری دنیا کو متاثر کر رہی ہے۔ کیونکہ آج انسانیت کی اکثریت رومیوں کے جانشینوں کے زیر اثر ہے۔

جمہوریت اب یورپیوں کے نسلی برتری کے دعووں میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ شروع میں دیگر دنیا پر قبضے کرتے ہوئے یورپی اپنے مذہبِ عیسائیت کو اخلاقی جواز کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے، مگر جب انہوں نے عیسائیت کو ترک کر دیا تو پھر باقی دنیا پر قابض ہونے کے لیے نئے جواز گھڑے جس میں سائنس، عورتوں کے حقوق، اور جمہوریت بھی شامل تھے۔ وہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جیسے یہ کوئی برتر نظام ہے، جس کے نتیجے میں وہ ایک برتر نسل مانے جائیں گے کیونکہ جمہوریت انہی کی تہذیبی روایات کی کوکھ سے نکلی ہے۔

یہ ہر اس ملک پر حملہ کر کے اپنے اس فریب کو حقیقت میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں جو جمہوری و لبرل اصولوں سے مطابقت نہ رکھتا ہو، اور ہر اس ملک کی حمایت میں پیش پیش ہوتے ہیں جو ان کی پیروی کرتا ہو۔ پھر وہ جمہوریت کے برتر ہونے کے ثبوت کے طور پر ان ممالک کی سماجی اور معاشی ترقی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جنھوں نے اس کو اپنایا اور اس سب کے نتیجے میں پھر اپنی تہذیب کی برتری ثابت کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، وہ جمہوری برتری کے اس فریب کو تقویت دینے کے لیے اس طاقت کا استعمال کرتے ہیں جو انہوں نے خود غیر جمہوری طریقوں سے حاصل کی ہوتی ہے۔

جب دوسری اقوام ان کے سیاسی ادارے، لباس، فنِ تعمیر، اور جمہوریت کے اصولوں کی پیروی کرتی ہیں تو اس سے ان کے مقام و مرتبے کو تقویت ملتی ہے اور ایک قائد یا راہنما کے طور پر دنیا میں ان کے مقام کی توثیق ہوتی ہے۔ یہ چیز پھر یورپ کی نسلی اور سماجی برتری جیسے افسانوی خیالات کی تائید کرتی ہے جو کہ دراصل یونانیوں ہی کے اس

عقیدے کا تسلسل ہیں جس کے مطابق وہ تمام غیر یونانیوں سے افضل ہیں، اور ان کی اس برتری و فضیلت کا ایک سبب جمہوریت ہے۔

ظاہر ہے اس کی حقیقت ایک افسانوی خیال سے زیادہ کچھ نہیں ہے کیونکہ یونان کی جمہوریت ایک بہت بڑے طبقۂ غلاماں کے کندھوں پر کھڑی تھی۔ اور آج کی جدید لبرل ریاستوں کو بھی اپنا سیاسی نظام چلانے کے لیے اسی طرح ایک بڑی تعداد میں ایسی ظالم و جابر ریاستوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ان پر انحصار کرتی ہوں۔ ان کو ایسے ممالک سے سستے داموں وسائل درکار ہوتے ہیں جہاں مزدوروں کے کوئی حقوق نہ ہوں، جہاں کاریگروں کی اپنے حقوق کے لیے اٹھنے والی تحریکوں کو بدترین تشدد اور مظالم کے ذریعے کچلا جا سکے، بالکل اسی طرح جس طرح قدیم یونانی جمہوریت میں غلاموں کو محض اپنی خواہش اور مرضی پر مار پیٹ اور تشدد کا نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔

جب مسلمان جمہوریت میں حصہ لینے کے نقصانات و فوائد کا موازنہ کرتے ہیں تو وہ عموماً اس کے اس نقصان پر غور نہیں کرتے کہ جب وہ جمہوریت میں حصہ لیتے ہیں تو وہ اس سے یورپی و یونانی تہذیبی برتری کے سیاسی بیانیے کو تقویت پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ ایک یورپی مصنف کا قول ہے کہ "تقلید چاپلوسی کی اعلیٰ ترین شکل ہے"۔ یعنی کسی کی پیروی کرنا درحقیقت یہ ہی کہنے کا ایک انداز ہے کہ ان کا طریقہ ہی صحیح یا اچھا ہے، اور اس چیز سے ان کی شان و شوکت اور طاقت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

استحکام

اہم فیصلوں پر دانا و نادان، نیکوکار و بدکار، ہر دو طرح کے لوگوں کو مشورہ و رائے اور اپنا حصّہ ڈالنے کی اجازت دینا بالآخر سنگین ماحولیاتی نتائج ظاہر کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ کوئی بھی فیصلہ کرتے ہوئے اس کے انجام پر غور نہیں کرتے کہ اگلے دس بیس سالوں میں اس فیصلے سے کیا نتائج مرتب ہوں گے۔ طویل المدتی نتائج سے قطع نظر وہ صرف فوری حاصل ہونے والی راحت و سکون چاہتے ہیں۔

لہٰذا اس چیز کا امکان بڑھ جاتا ہے کہ ایسے سیاسی نمائندوں کو ووٹ دیے جاتے ہیں جو بدلے میں پیسہ فراہم کریں، قطع نظر اس بات کے کہ یہ پیسہ کیسے حاصل کیا جاتا ہے۔ جمہوریت میں سیاست دان اس دباؤ میں رہتے ہیں کہ لوگوں کی خواہشات کو پورا کرنے کا سامان کریں، جس کے نتیجے میں ان کی تمام تر توجہ اور صلاحیتیں صرف اگلے انتخابات، جو عموماً چند سالوں کی مدت میں دوبارہ آجاتے ہیں، میں کامیابی حاصل کرنے پر مرکوز رہتی ہیں۔

یہ سیاسی نظام انہی سیاست دانوں کو نوازتا ہے جو ایسی پالیسیوں پر عمل پیرا ہوں جو وقتاً تو فوائد دے دیں لیکن مستقبل میں تباہ کن ثابت ہوں۔ اس کا اطلاق نہ صرف جمہوریت بلکہ وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو لبرل ازم پر بھی ہوتا ہے۔ جس کی بنیادی اساس ہی یہ ہے کہ حکومت کا مقصد صرف عوام کا معیار زندگی بہتر بنانا ہے۔

اس نظام نے یورپ میں جاگیرداری نظام کی جگہ لی۔ جس میں یہ مانا جاتا تھا کہ پادری و اشرافیہ معاشرے کی رہنمائی اور حکومت کے لیے خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ یہ بڑا اہم فرق ہے کیونکہ اگر معاشرہ اس بنیاد پر قائم ہو کہ زندگی کا مقصد بندگی ہے، تو حکومت کے کہنے پر لوگ ایک بڑی بھلائی کی خاطر تکالیف جھیلنے پر راضی ہو سکتے ہیں۔

اگر معاشرہ اس بنیاد پر قائم ہو کہ حکومت کا کام ہر ممکن حد تک عوام کی خواہشات کو پورا کرنا ہے تو پھر مشکلات برداشت کرنے کے لیے کوئی رغبت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ لوگ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ جیسے ہی معاملات ان کی خواہشات کے برعکس ہونا شروع ہوں تو وہ حکمرانوں سے جان چھڑا لیں۔

یہ چیز تصفیے کے مزاج کو جنم دیتی ہے، جہاں استعمال کے بعد چیزوں کو تلف کر دینا لوگوں کا عام مزاج بن جاتا ہے۔ پرانے لباس پر صبر اور اس کو ٹھیک کرنے کے بجائے اس کو ختم کر کے نئے سے تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ازدواجی اور دیگر تعلقات بھی اسی رویے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی آپ کی خواہشات پر پورا نہیں اتر رہا تو اس سے جان چھڑا کر کسی ایسے سے تبدیل کر لیں جو پورا اترے۔

حصہ دوم

جمہوریت کا جواز

جمہوریت کے حوالے سے ہمیں آج جو سنگین ترین مسئلہ درپیش ہے وہ بعض مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ ضرورت و ناگزیریت کے باعث جمہوریت کا استعمال جائز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ متبادل ذرائع دستیاب نہ ہونا، اور یہ احتمال کہ جمہوریت میں عدم شرکت اس میں شرکت کرنے سے زیادہ نقصان دہ اور بدتر نتائج کی حامل ہو سکتی ہے، اس کا جواز فراہم کرتے ہیں۔

یہ جواز بعض اوقات نفع و نقصان یا "مصلحہ و مفسدہ" کے عنوان تلے پیش کیا جاتا ہے، جس کا جواب عموماً یہی ہوتا ہے کہ شرک سے بڑھ کر مفسدہ کیا ہو سکتا ہے؟ مگر جواباً یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ جمہوری نظام میں شرکت کے ذریعے خلافِ شرع قوانین کو ختم اور تبدیل کر کے اور ایسے قوانین بنا کر جو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ ہوں، معاشرے میں شرک کو کم کیا جاسکتا ہے۔ یوں علمی و نظری اعتبار سے ایک ایسا عمل جو کہ براہِ راست غیر اللہ کی عبادت میں مشغول ہونے اور اس کی حمایت کرنے پر مشتمل ہے، اس عمل کا نقصان اور مفسدہ ہلکا نظر آتا ہے۔

اس نقطۂ نظر کے رد میں عموماً یہ جوابی دلیل دی جاتی ہے کہ "(دو برائیوں میں سے) کمتر برائی کے انتخاب" کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب کوئی متبادل موجود نہ ہو۔ اب بھی جواباً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں جمہوریت میں حصہ نہ لینا دونوں میں سے بڑی برائی ہے، کیونکہ ہمارے پاس اسلامی نظام حکومت کو قائم کرنے کی قوت موجود ہی نہیں ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر صورتوں میں، جمہوریت میں شرکت ہرگز کمتر برائی نہیں ہے اور یہ کہ ایسے کئی قابلِ عمل راستے موجود ہیں جن کے ذریعے نفاذِ اسلام کے لیے درکار مطلوبہ قوت حاصل کی جاسکتی ہے، لیکن اکثر لوگ ان راستوں کی سختی اور مشکلات کے سبب ان کی طرف بڑھنے سے کتراتے ہیں۔

کفر اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ان کا یہ باہمی تضاد نہایت بنیادی سطح سے ہی شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا ایک ایسا نظا

مطلب ہے کہ اسلام کے نفاذ کے لیے اپنائے گئے مؤثر ترین طریقوں کو بھی اللہ کے یہ دشمن جو پوری دنیا کے قانونی نظام کو کنٹرول کرتے ہیں، غیر قانونی بنادیں گے۔ ایسے طریقوں کی پیروی کرنے کا مطلب خود کو اس موجودہ عالمی نظام میں شرکت سے باہر کر دینا ہے۔ لیکن یہ جاننا اہم ہے کہ موجودہ عالمی نظام اپنی طاقت انہی لوگوں سے حاصل کرتا ہے جو اس میں شرکت کرتے ہیں۔ ہر شخص جو خود کو اس نظام سے الگ کرتا ہے، وہ اس کو کمزور کرتا چلا جاتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو اس میں شمولیت اختیار کرتا ہے، وہ اس کی تقویت کا باعث بنتا ہے، چاہے اس میں شمولیت سے ان کا ارادہ اس کے ذریعے اسلام کو نافذ کرنا ہی کیوں نہ ہو۔

مسلمان جب جمہوریت میں حصہ لیتے ہیں تو اس سے اسلامی نظام کے قیام میں تعطل پیدا ہوتا ہے، اولاً کفر پر مبنی سیاسی نظام میں شمولیت کے ذریعے اسے تقویت دینے کے سبب اور ثانیاً وسائل کو ان دینی تحریکوں سے دور کر کے، جو حقیقی معنوں میں باطل قوتوں کے لیے خطرہ ہیں۔

ایک بار اس نظریے کو اپنا لینے کے بعد کہ ''ایک بڑے اور بہتر مقصد کے حصول کی خاطر'' (جس کا تعین بھی ہم اپنی محدود عقلوں کی بنیاد پر خود ہی کرتے ہیں) کفر و حرام کا ارتکاب و استعمال کیا جا سکتا ہے، ہم خود پر پہلے سے بڑے اور شدید تر کفر و حرام افعال کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پہلے اپنے لیے ایک نہایت اعلیٰ و ارفع مقصد کا تعین کرتے ہیں (یعنی قیامِ شریعت) اور پھر اس مقصد کے حصول کی خاطر جس بھی حرام کا ارتکاب کرنا پڑے ، اس کی شدت و بڑائی کو اس عظیم ترین مقصد کے پیمانے میں تولتے ہیں، جس کے سامنے وہ ہیچ نظر آتا ہے۔

تاہم ماضی کے تجربات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راہِ عمل اچھے نتائج و ثمرات نہیں لاتی۔ جمہوریت کو استعمال کرنے کی مسلمانوں کی ہر کوشش کا انجام تشدد پر ہوا ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ کفار محض انہی حکومتوں کو چلنے دیتے ہیں جو ان کے مفادات کا تحفظ کرتی ہوں۔ حقیقت میں وہ خود بھی ''عوامی خواہشات'' کے احترام کے اپنے ہی ایجاد کردہ

نعروں پر یقین نہیں رکھتے، اور وہ جمہوری راستے سے منتخب ہونے والے قائدین جو ان کے مفادات کا تحفظ نہ کرتے ہوں، کو بھی گرانے اور برطرف کرنے کی ایک طویل اور ثابت شدہ تاریخ رکھتے ہیں۔[19]

جس کا مطلب ہے کہ جمہوری نظام میں مراعات حاصل کرنے کے لیے کی گئی لمبی چوڑی محنت اور سرمایہ کاری، لمحوں میں چھِن سکتی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دلائل اور حجتوں کا وہ پورا کھاتا جو جمہوری نظام میں شرکت کرنے اور اس کی متعدد برائیوں اور قباحتوں میں مبتلا ہونے کو جواز بخشنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اس کی حیثیت نرم ترین معیار کے مطابق بھی مشکوک ہے۔

مطلب یہ کہ جمہوری نظام میں مراعات حاصل کرنے کے لیے جو مختلف صورتوں میں سرمایہ درکار ہے وہ لمحہ بھر میں چھِن سکتا ہے۔ یعنی جمہوری نظام میں شرکت کی مختلف قباحتوں کو جواز دینے کیلیے جو اندازے لگائے گئے تھے وہ سرے سے مشکوک ہی ہیں۔

عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيِّ قَالَ قُلْتُ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْهُ دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ

حضرت ابوالحوراء سعدی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت حسن بن علیؓ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی فرمان یاد رکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کا یہ فرمان یاد رکھا ہے: ''مشکوک اور مشتبہ چیز کو چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو مشتبہ نہ ہو''۔[20]

[19] شیخ محمد ابراہیم لڈوک کی اس بات کی ایک بیّن دلیل و مثال مصر میں 'عرب بہار' کے بعد 'الاخوان المسلمون' کا 'جمہوریت' کے ذریعے اقتدار میں آنا اور پھر تشدد کے ذریعے اقتدار سے الگ کر دیا جانا ہے۔ (مدیر)

[20] سنن النسائی حدیث: ۵۷۱۱

سیاست

سیاسی اداروں کو عادات کے بہت بڑے مجموعے کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ انسان عادات کی مخلوق ہے...... جتنا زیادہ ہم ایک عمل کو دہراتے ہیں، اتنا ہی وہ ہماری پختہ عادت بنتا جاتا ہے۔ جو اعمال تسلسل کے ساتھ انجام دیے جائیں وہ کبھی کبھار کیے جانے والے کاموں کی نسبت زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَاعْلَمُوا أَنْ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الجَنَّةَ، وَأَنَّ أَحَبَّ الأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ

"درستی کا قصد کرو، افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کرو اور یقین کرو کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے خواہ وہ کم ہو۔"[۲۱]

کسی بھی مذہب کا سب سے اہم جزو اس کی رسومات ہوتی ہیں۔ اسلام کی اہم رسومات میں نماز، حج، زکوۃ کی ادائیگی، جہاد، عقیقہ، ولیمہ و جنازہ وغیرہ شامل ہیں۔ جتنا ان کو دہرایا جائے گا، اتنا ہی یہ معاشرے اور افراد کی زندگیوں میں راسخ ہوتے چلے جائیں گے۔

اسی طرح جمہوریت کی رسومات میں شہریت کی تقسیم، انتخابات، عوام کی ذہن سازی، احتجاجی جلسے اور پارلیمانی اجلاس وغیرہ آجاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو تکرار سے نافذ کیا جاتا ہے اور مسلسل دہرانے سے ان کو قوی اور مزید پختہ کیا جاتا ہے۔ اس پختہ کرنے کے عمل کا ایک سماجی پہلو بھی ہے کہ جتنا لوگ دوسروں کو یہ کام کرتا ہوا دیکھیں گے اتنا ہی وہ خود بھی یہی سب کرنے کی طرف مائل ہوتے چلے جائیں گے۔

جمہوریت کا ایک مسلمہ اصول یہ ہے کہ انتخابات کی قانونی حیثیت کا تعین اس بات سے کیا جاتا ہے کہ آبادی کی کتنی تعداد نے انتخابی عمل میں حصہ لیا۔ مثال کے طور پر اگر رائے دہندگان کی تعداد بیس فیصد سے کم ہو، تو ایسے انتخابات

[۲۱] صحيح البخارى حديث: ٦٤٦٤

کو لوگوں کی خواہشات کی صحیح ترجمانی تصور نہیں کیا جاتا اور منتخب ہونے والے نمائندوں کی قانونی حیثیت بھی ادنیٰ و کمتر سمجھی جاتی ہے۔

اس اعتبار سے انتخابات ایک طرح کے معاہدے کی صورت پیش کرتے ہیں...... آپ کے نمائندے کی فتح کی صورت میں ہم اس کے اختیار و اقتدار کا احترام کریں گے اور اگر ہمارا نمائندہ جیتا تو آپ کو اس کے اختیار کو تسلیم کرنا ہو گا۔ پارلیمانی انتخابات میں چونکہ بالعموم مختلف امیدواروں کا ایک مجموعہ ہوتا ہے، لہٰذا ان کی قانونی حیثیت کے استحکام اور مضبوطی کا دارومدار لوگوں کی انتخابی عمل میں شمولیت کی تعداد پر ہوتا ہے۔

یوں اگر آپ کسی نام نہاد دینی امیدوار کو بھی ووٹ دیتے ہیں تو اس کا نتیجہ بآسانی ایسے امیدواروں کی جیت اور ان کی مدد و نصرت کی صورت میں نکل سکتا جو ہے جو اسلام سے کھلم کھلا عداوت رکھتے ہوں۔

جمہوری نظام میں شرکت کرنے سے ممکن ہے کہ ایک مسلم سیاست دان اور اس کے ووٹر سیاسی نظام کے عین قلب میں کچھ اثر و رسوخ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں، ممکن ہے کہ وہ کسی حد تک اس پر اثر انداز ہونے کے بھی قابل ہو جائیں، لیکن اس سارے عمل سے وہ مجموعی طور پر جمہوری نظام کی ساکھ کو ہی مضبوط کریں گے۔ اپنے تئیں ان کا خیال ہو گا کہ وہ اسلامی ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں، جبکہ در حقیقت وہ جمہوریت کے غلبے کو تقویت دے رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں پر مغرب کو!

فتح محض علاقوں کی تسخیر کا نام نہیں، بلکہ نظریات و اقدار کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں کو مسخر کرنا بھی فتح کی ایک قسم ہے۔ جمہوری عمل میں ایک مسلمان اگر سیاسی نظام میں آٹھ درجوں تک گھسنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس دوران یہ نظام خود اس کے اندر دس درجوں تک راسخ ہو جاتا ہے، اور پھر اس کے ذریعے اس کے ووٹر حلقے میں بھی۔ یوں مجموعی طور پر کفار اس سلطنت کی معاشرتی و نفسیاتی زمین پر زیادہ علاقہ فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

یہ تمثیل میدانِ جنگ میں جابجا نظر آتی ہے۔ جب کسی چال کے چلنے کا بظاہر نتیجہ کسی علاقے کو دشمن کے ہاتھ کھو دینا ہوتا ہے، لیکن در حقیقت اس نقصان کو برداشت کرنے سے کسی ایسے علاقے کی فتح کا امکان ہو جو حکمت عملی کے

اعتبار سے زیادہ اہمیت کا حامل ہو۔ ایک تبادلہ ہوتا نظر آتا ہے جس میں فریقین اپنے اپنے طور پر زیادہ ثمرات اکٹھے کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔

اس طرز پر جمہوریت کے ذریعے اثر و رسوخ حاصل کرنے کی کوشش کو بعض جدت پسند مسلمان یوں بیان کرتے ہیں کہ "ہم اسلام کو جدید نہیں کر رہے، بلکہ ہم جدیدیت کو اسلامائز کر رہے ہیں"۔ جبکہ در حقیقت یہ ایک دورویہ سڑک ہے...... وہ جدیدیت کو اسلامائز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اس کوشش میں وہ اسلام کا ایک جدید نمونہ تیار کر رہے ہیں، اور اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔ مختصراً، آپ کو نظام پر جتنی دسترس حاصل ہوتی ہے اس کے مقابلے میں نظام کو آپ پر کہیں زیادہ دسترس حاصل ہو گی۔

یہ سوال کہ ہم یہ کیسے جانتے ہیں کہ نفع کے مقابلے میں نقصان زیادہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہوریت اپنی فطرت کے اعتبار سے ہمیشہ اکثریت کو فائدہ پہنچاتی ہے، جبکہ مسلمان ہمیشہ اقلیت ہی رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا اطلاق مسلم اکثریتی علاقوں پر بھی ہوتا ہے کیونکہ علاقائی جمہوریتیں بین الاقوامی جمہوریت کے تابع ہوتی ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کسی مسلمان کو کسی مسلم اکثریتی ملک میں کوئی اہم سیاسی منصب بھی تفویض کر دیں، تب بھی وہ عالمی برادری کی طرف سے ایک مسلسل دباؤ میں رہے گا، جن کی اکثریت اسلام سے واقف ہی نہیں، کجا یہ کہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ مزید یہ کہ، سچ تو یہ ہے کہ کفار خود بھی عالمی سطح پر صحیح معنوں میں جمہوریت کے اصولوں کی پاسداری نہیں کرتے...... وہ عسکری، معاشی، تہذیبی اور نفسیاتی سمیت متعدد اقسام کے جنگی حربے استعمال کرتے ہیں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ مسلمان ممالک میں صرف کرپٹ مسلم حکمران ہی اقتدار میں آئے، اور تعاون نہ کرنے والے حکمرانوں کو اکثر مسندِ اقتدار سے بزورِ طاقت ہٹا دیتے ہیں۔

جس سے یہ امر یقینی ہو جاتا ہے کہ عالمی جمہوریت میں طاقت کا توازن ہمیشہ کفار کے حق میں برقرار رہے، اور نظام کا مسلمانوں پر اثر و رسوخ اس اثر و رسوخ سے ہمیشہ زیادہ رہے جو مسلمانوں کا نظام پر ہے۔ یوں ایک مسلمان حکمران کی حیثیت صرف خوراک کی نالی کی سی ہے جس کے ذریعے کفار مسلمان عوام کی رگوں میں اپنے اثر و رسوخ کا زہر انڈیلتے رہیں۔

تہذیب

جمہوریت میں حصہ لینا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جمہوری روایات سے مطابقت اختیار کی جائے۔ یہ مطابقت محض سیاسی زندگی تک محدود نہیں بلکہ لباس، تقریر، رہن سہن حتیٰ کہ سوچ میں بھی درکار ہے۔ یہ تمام رویے جمہوری نظام اور اس پر مشتمل اقدار کو تمدنی معیارات کے طور پر برقرار رکھنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔

سیاست میں شمولیت کے مختلف درجات ہیں، اور اگر کوئی شخص نظام کے طے کردہ معیارات سے اپنی مطابقت ثابت نہیں کرتا تو اس کو کبھی بھی جمہوریت کے اندر کسی اعلیٰ عہدے تک ترقی نہیں کرنے دی جائے گی۔ ایک متقی و پرہیز گار مسلمان کو ووٹ کا حق تو مل سکتا ہے، لیکن اس کو کبھی بھی کسی اہم منصب پر پہنچنے کا حقیقی موقع میسر نہیں آئے گا، الّا یہ کہ وہ اپنی شناخت اور اقدار پر سمجھوتہ کرلے۔ اگر وہ اپنی اقدار پر سمجھوتہ کرلے، تب وہ ایک رہنما بن جائے گا اور اس کے حمایتی اس کے پیروکار بن جائیں گے، یعنی اس کے پیروکار بھی اپنی اقدار پر سمجھوتہ کرلیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھا جائے جہاں شراب استعمال ہو رہی ہو۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلَى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا بِالْخَمْرِ

"جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو۔"[۲۲]

اس نصیحت پر عمل کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان گناہ پر اپنی رضامندی ظاہر کرنے سے بچا رہتا ہے، اور اس اصول کا اطلاق اس وقت بھی ہوتا جب خود کو کسی بھی برے عمل سے الگ کرنے کا موقع ہو۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: قَامَ أَبُو بَكْرٍ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ هَذِهِ الْآيَةَ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

حضرت قیس بن ابو حازم سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

[۲۲] جامع ترمذی حدیث: ۲۸۰۱

[المائدة: ١٠٥] ، وَإِنَّا سَمِعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ لَا يُغَيِّرُونَهُ، أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابِهِ

''اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو: 'اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو سیدھا رکھو۔ جب تم ہدایت پر ہو تو گمراہ لوگ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے'۔[23] اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے: لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اسے ختم نہ کریں (اس سے منع نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔''[24]

صرف گناہ کے موقع پر موجود ہونا، اور اس کو روکنے کی استطاعت بھر کوشش بھی نہ کرنا، بذاتِ خود قابلِ مواخذہ فعل ہے۔ مزید یہ کہ شریر و فاسق لوگوں کی صحبت آپ پر برا اثر ڈالنے کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

لَا تُجالِس أَهْلَ الْأَهْوَاءِ, فإِنَّ مُجالَسَتَهُم مُمرِضَة لِلقُلُوبِ

''ہوائے نفس کے پیروکاروں کے ساتھ مت بیٹھو کہ ان کی محفلیں دلوں کا مرض ہیں۔''[25]

قَالَ مُسلِمُ بنُ يَسَارٍ:لَا تُمَكِّنُ صَاحِبَ بِدعَةٍ مِن سَمعِکَ فَيَصُبُّ فِيهَا مَا لَا تَقدِرُ اَن تُخرِجَهُ مِن قَلبِکَ

مسلم بن یسار سے روایت ہے ''کسی بدعتی کو اپنی سماعت تک رسائی مت دو کہ وہ اس میں وہ بات ڈال دے گا جسے تم اپنے دل سے نکالنے کی استطاعت نہ رکھتے ہو گے۔''[26]

[23] سورة المائده: ١٠٥

[24] سنن ابن ماجه حديث: ٤٠٠٥

[25] الإبانة عن شريعة الفرقة الناجية ومجانبة الفرق المذمومة، ص: ٣٧٨

[26] الإبانة عن شريعة الفرقة الناجية ومجانبة الفرق المذمومة، ص: ٣٧١

عَنْ عَمرِو ابنِ قَيسٍ، قالَ: كَانَ يُقَالُ: لَا تُجاَلِس صَاحِبَ زَيغٍ، فَيُزِيغَ قَلبَكَ

عمرو ابن قیس سے روایت ہے، "(ماضی میں) یہ کہا جاتا تھا کہ گمراہ شخص کے ساتھ مت بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو گمراہ کر دے گا۔"[27]

یعنی کسی انسان کے دل کی خرابی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ خواہشاتِ نفسانی کے پیرو کے ساتھ تعلقات رکھے، وہ لوگ جو سنت کو چھوڑ کر بدعات کے پیچھے چلیں۔ تاہم جن کو ہم پارلیمنٹ میں دیکھتے ہیں، وہ عموماً کھلے کافر، بدعتی اور مرتد ہوتے ہیں[28]۔ ہمیشہ جب بھی مسلمانوں کو ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، معاملات کرتے اور روابط استوار کرتے دیکھا گیا، یہ مشاہدہ کیا گیا کہ وقت کے ساتھ ان (مسلمانوں) میں بگاڑ پیدا ہوا اور بڑھتا گیا۔

جمہوری نظام میں آگے بڑھنے کا مطلب اکثر ایسے لوگوں سے اتحاد کرنا بھی ہوتا ہے جن سے آپ اختلاف رکھتے ہوں۔ یعنی آپ اس چیز پر رضامند ہو جاتے ہیں کہ آپ اپنے اتحادیوں کی ان معاملات میں بھی حمایت کریں گے جن پر ضروری نہیں کہ آپ ان سے متفق ہوں، اور اسی طرح آپ کے اتحادی ان معاملات میں آپ کی حمایت پر رضامند ہوتے ہیں جن پر وہ متفق نہ ہوں۔ یہ ایک اور سطح ہے جہاں جمہوریت کو دو برائیوں میں سے کمتر برائی کے طور پر قبول کرنے کے فیصلے اور انتخاب کو تجزیے کی ضرورت ہے۔

پھر جمہوری نظام میں شمولیت اختیار کرنے والے مسلمانوں کو بے دین اور واضح طور پر فاسق و فاجر افراد سے اچھا خاصہ رابطہ و تعلق اور گفت و شنید کا موقع ملتا ہے، اور نہ صرف یہ بلکہ مستقل بنیادوں پر ان کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑتا ہے۔ پھر چاہے وہ اخلاص کے ساتھ ہی اس نظام میں کیوں نہ شامل ہوئے ہوں لیکن بالآخر ماحول ان پر اثر انداز ہونے لگتا ہے۔

[27] الإبانة عن شريعة الفرقة الناجية ومجانبة الفرق المذمومة، ص: ۴۴۱

[28] یہاں شیخ محمد ابراہیم لڈوک کی مراد وہ کلمہ گو نہیں ہیں جو کسی تاویل (چاہے غلط ہی کیوں نہ ہو) کے تحت پارلیمنٹ میں بیٹھتے ہیں یا جمہوریت میں حصہ لیتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت خود شیخ ہی کے قلم سے آئندہ صفحات میں ظاہر ہو جائے گی۔ (مدیر)

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الْحَدَّادِ لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ وَكِيرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری والے اور لوہار کی بھٹی کی سی ہے۔ کستوری والے کی طرف سے کوئی چیز تجھ سے معدوم نہ ہو گی، تو اس سے کستوری خرید لے گا یا اس کی خوشبو پائے گا۔ اس کے برعکس لوہار کی بھٹی تیرا بدن یا تیرا کپڑا جلا دے گی یا تو اس سے بدبو دار ہوا حاصل کرے گا۔“[٢٩]

شناخت

کسی گروہ کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس میں شامل افراد کس حد تک اپنے مقصد کی خاطر قربانی دینے کو تیار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مسلمان قیامت تک حق پر قائم اور غالب رہیں گے کیونکہ وہ حق کے لیے لڑیں گے اور اپنے مقصد و ہدف پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہوں گے۔ جن کے عقائد میں بگاڑ ہو گا وہ شبہات میں گھر جائیں گے، اور مقصد کے حوالے سے یہ عدم اعتمادی بالآخر ان کا عزم اور قربانی کا جذبہ کمزور کر دے گی۔

عقیدے سے ہٹ کر، کسی گروہ کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک واضح شناخت رکھتا ہو۔ کسی کو عقیدے کی درستگی اور ایمان کی پختگی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اگر وہ دوست اور دشمن کی صحیح تعریف نہ کر سکے۔ اس اعتبار سے یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط اسلامی شناخت ہو۔

یقیناً، اہل ایمان سے اتحاد توحید کا جزو ہے، کیونکہ لا الہ الا اللہ پر ایمان اس چیز کو لازم کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کی حمایت و نصرت کی جائے جو عبادات میں توحید پر قائم رہنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ان لوگوں کی مخالفت کی جائے جو زمین

[٢٩] صحیح البخاری حدیث: ٢١٠١

پر شرک کو پھیلانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اہل توحید کی مدد و نصرت کیسے کی جائے اگر ہم ان کے اور اہل شرک کے درمیان تمیز ہی نہیں کر پا رہے۔

کسی مقصد پر مضبوط و غیر متزلزل ایمان و یقین ہونے کے لیے ایک واضح و مضبوط پہچان کا ہونا ضروری ہے۔

اگرچہ ہر جگہ بعض علاقائی و ثقافتی اختلافات موجود ہوتے ہیں، لیکن تمام اہل السنۃ کو جوڑنے اور متحد کرنے والی ڈور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو متنوع اسلامی ثقافتوں کو ایک مخصوص و یکتا شناخت عطا کرتی ہے۔ گمراہ فرقوں کا آغاز ہمیشہ سنت کے ترک اور دین میں بدعات کی ترویج سے ہوتا ہے۔

سنت کا سب سے اہم پہلو رسمی عبادات کے طریقے ہیں، لیکن طرزِ زندگی بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ بلاشبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین طہارت اور لباس جیسے معمولی معاملات میں بھی سنت کی پیروی کو اہم عبادات تصور کرتے تھے۔ ایک ہی ثقافتی پس منظر سے تعلق رکھنے والے لوگ لباس و طعام، گفت و شنید اور معاشرتی معاملات میں اپنے ایک سے رویّوں کے سبب ایک دوسرے سے قربت محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و تقلید کرنے والے سے بھی محبت کرتا ہے، اور ایسا شخص جو کہ سنت کی جگہ بدعات کو ترویج دیتا ہو، اس کے لیے اس کے دل میں صرف نفرت ہی ہوگی۔

جمہوری نظام میں شرکت کا مطلب بہت سی جگہوں پر سنت کو ترک کرنا ہے۔ جمہوری حکومتیں عموماً اسلامی ثقافت کے ہر پہلو کے بارے میں تنقیدی رویہ رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر، مصر کے محمد مرسی نے اپنی صدارت کے دوران صرف ایک مرتبہ مصر کا روایتی لباس پہنا تو انہیں میڈیا کی جانب سے شدید تنقید و تمسخر کا نشانہ بنایا گیا۔

پس جمہوریت میں شرکت کا مطلب اپنے لباس اور طرزِ زندگی کو کفار کے مشابہ بنالینا ہے، جس سے اسلام کی اس کی شناخت و پہچان پر اثر پذیری میں کمی آتی ہے۔ اسی کے نتیجے میں آگے چل کر مسلمانوں کی جماعت سے اس کی محبت اور ایک مشترکہ شناخت کے تعلق میں کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔ مزید آگے بڑھیں تو اس سے امّت کا اتحاد کمزور پڑتا ہے اور ہماری آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی صلاحیت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اسلامی تشخص میں کمی کا

مطلب اہل ایمان کے مابین اتحاد کی کمی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کی حقیقت، اس کا اظہار اور اس کی اقامت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ اس بات کا ٹھوس مظہر ہے کہ کس طرح شرک کے ماحول میں شرکت براہِ راست توحید کو کمزور کرتی ہے۔ اس پوشیدہ اثر کو سمجھنا اور اس کا ادراک کرنا دشوار ہے، اور اسی وجہ سے جمہوریت میں شرکت کے فوائد و نقصانات کے تقابل کے دوران اس امر سے صرفِ نظر ہو جاتا ہے۔

مسلمان قدرتی طور پر کسی "اپنے" کو اقتدار میں دیکھنا چاہتے ہیں، خصوصاً جب اس اقتدار کو اسلامی تشخص کے مختلف پہلوؤں کی تائید کے لیے استعمال کیا جاتا ہو، جیسے عوامی حلقوں میں حجاب کی موجودگی وغیرہ۔ بہر حال قائدین عوام کے لیے نمونہ ہوتے ہیں، اور اگر وہ اقتدار کے حصول کے لیے وضع قطع میں کفار کی تقلید کریں گے، تو اس کا اثر ان کے پیروکاروں پر بھی نظر آئے گا، جس سے اسلامی تشخص کمزور تر اور کفار کی ثقافتی و تہذیبی قوّت و احترام کو تقویت ملے گی۔

ذرائع ابلاغ

چونکہ جمہوری نظام کے خدوخال مقبول عوامی رائے سے تشکیل پاتے ہیں، لہٰذا جو کوئی بھی رائے عامہ ہموار کرنے کی طاقت رکھتا ہو وہی جمہوری نظام کو بھی کنٹرول کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ میڈیا کی اثر پذیری سیدھی سیدھی مال و سرمایہ پر منحصر ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اصحابِ ثروت کی دولت و طاقت برقرار رہے۔

یہی وجہ ہے کہ عالمی برادری میں شامل ہونے کے لیے کسی بھی ملک کے لیے جو بنیادی ترین شرط عائد کی جاتی ہے وہ 'آزادیٔ صحافت' ہے۔ اگر کسی ملک میں موجود ادارے بیرونی امداد حاصل کرنے اور پھر یہ امداد فراہم کرنے والوں کے ایجنڈے اور منشا کے مطابق اپنے صحافتی وسائل استعمال کرنے کے لیے آزاد ہوں تو وہ اس ملک کے سیاسی مباحث کو بآسانی امداد فراہم کرنے والوں (آج کی دنیا کے اصحابِ اقتدار جو کافر ہیں یا منافق) کی مرضی کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کم سرمائے کے حامل لوگ ان لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے جو سرمائے کے اعتبار سے ان سے افضل ہیں۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ دولت مند لوگ قانون سازی کے عمل پر اثر انداز ہوتے ہوئے ایسی قانون سازی کروا سکتے ہیں جس کے ذریعے جمہوری نظام کے اصولوں کے مطابق ان کے مفادات کا تحفظ بھی ہو سکے اور انہیں دیگر لوگوں پر یک گونہ برتری بھی حاصل رہے۔

مزید یہ کہ اس سطح پر آ کر کفار کا مقابلہ کرنا کئی طرح کے پھندوں میں پھنسا دیتا ہے۔ مثلاً کفار سادہ ووٹروں کے جذبات کو مہمیز دینے کے لیے اپنی سیاسی مہم میں بے حجاب عورتوں اور موسیقی سے بھرے ہوئے اشتہارات استعمال کرتے ہیں، اور جب مسلمان ان کے مقابلے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر وہ بھی بتدریج اسی قسم کے مفسدات کی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ 'ضرورت' کے نعرے تلے گناہوں کی دلدل میں دھنستے چلے جانا اس قدر آسان ہو جاتا ہے کہ بالآخر دل گناہوں کی سیاہی سے اٹ جاتے ہیں اور انہیں ان کی سیاہی محسوس ہی نہیں ہوتی۔

جب (مغرب سے آئے) یہ طور طریقے اور رواج مسلمانوں میں اس قدر پھیل جاتے ہیں اور انہیں عام مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجے میں یہ فکر رائج ہو جاتی ہے کہ "زمانہ بدل گیا ہے"۔ اور یہ کہ کچھ اسلامی قوانین اور اصول و ضوابط پر اب عمل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات دین کی بنیادوں کو کمزور کرتی ہے، کیونکہ یہ دین کی آفاقیت کو چیلنج کرتی ہے۔ مسلمان دین کے بنیادی اصولوں کے درمیان تفریق کرنا شروع کر دیتے ہیں اور مخصوص مواقع پر نازل ہونے والے احکامِ الٰہی کو عارضی سمجھنے لگتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

"(اے رسول) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تا کہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالانکہ ان

آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے) سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے، اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔"[30]

جمہوریت میں حصہ لینے والے افراد ضروری نہیں کہ ہمیشہ کفار کے میڈیا کے طریقوں کی مماثلت اختیار کرنے جیسے کاموں کی حمایت کرتے ہوں، بلکہ وہ اکثر محض اس کا، 'ضرورت' کی پرانی دلیل کے تحت، جواز ہی پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ان سے حسنِ ظن کرتے ہوئے ان کے عمل کی یہ تاویل کریں تو بھی وہ ان طور طریقوں کو عوام میں رائج کرنے، انہیں معمول کی (نارمل) شے بنادینے اور مسلمانوں میں ان کے خلاف حساسیت ختم کر دینے کے ذمہ دار ہیں۔ اور اگر ایسی 'اسلامی' سیاسی تحریکوں کے قائدین خود کو دیندار بھی بنا کر پیش کرتے ہیں تو یہ اور بھی زیادہ مہلک و تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ عام مسلمان عوام جن کا علم و فہم محدود ہوتا ہے بے حد آسانی سے ان گناہوں کو معمولی اور اپنی زندگیوں کا نارمل حصہ سمجھ سکتے ہیں۔

ایک مسلمان جب میڈیا کے میدان میں کفار کے مقابلے پر، مگر اسی راستے پر چل پڑتا ہے تو بہر حال شکست ہی اس کا مقدر بنتی ہے الّا یہ کہ وہ اپنے اصولوں سے مکمل طور پر دستبردار ہو جائے۔ میڈیا کے ذریعے رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے لوگوں کی سفلی خواہشات اور جذبات کو ابھارنے سے ہمیشہ ہی زیادہ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور ایک کافر یا منافق جس کو بد دیانتی، موسیقی اور عریاں و فحش مواد کے استعمال میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی، وہ اس صورت

[30] سورة آل عمران: ۷

میں آپ پر واضح برتری حاصل کیے ہوئے ہے۔ یہ ایک اور زاویہ ہے جس سے جمہوریت مسلمانوں کو مزید فساد اور پستی کی طرف دھکیلتی ہے[۳۱]۔

برائی اور فساد کو محض اس سوچ اور امید کے تحت قبول کرتے اور اپناتے چلے جانا کہ بالآخر حتمی نتیجہ جو نکلے گا، اس کے فوائد و ثمرات ان تمام مفاسد پر بھاری ہوں گے ایک غلط فہمی ہے۔ قومی و بین الاقوامی ہر دو سطح پر جمہوریت کے ضوابط اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ اقتدار میں موجود لوگوں کو اقتدار میں آنے کے لیے کوشاں لوگوں کی نسبت بڑے بجٹ ملتے رہیں۔ مزید یہ کہ میڈیا کے میدان میں مقابلے کے لیے جو آلات و سامان اور ضروری وسائل درکار ہیں ان کی خریداری سے انہی سرمایہ داروں اور اصحابِ ثروت کو منافع ہو گا جن کے خلاف مسلمان جدوجہد کر رہے ہیں، اور پھر اس حاصل شدہ منافع کو وہ دوبارہ اپنی میڈیا جنگ میں استعمال کریں گے، نتیجتاً طاقت، اثرورسوخ اور رائے دہندگان کی ذہن سازی کے میدانوں میں ان کی واضح برتری بہرحال قائم رہے گی۔

معیشت

جمہوریت ایک نسبتاً مہنگا نظامِ حکومت ہے۔ یہ یورپ میں بھی صرف اقتصادی ترقی کے عرصے میں یا پھر ان معاشروں میں قائم رہا جہاں غلاموں کی تعداد زیادہ تھی جیسا کہ روم اور یونان۔ معاشی تنزلی کے عرصے میں جمہوریت ترک کر کے زیادہ آمرانہ طریقِ حکومت اپنائے گئے۔ جمہوریت کی نسبت آمریت کئی گنا زیادہ مؤثر طرزِ حکومت ہے، اگرچہ

[۳۱] ہمارے سامنے مصر و پاکستان کی مثالیں موجود ہیں کہ کس طرح مذہبی سیاسی جماعتیں اس میڈیائی جنگ میں دشمن کے کھینچے خطوط کے مطابق دشمن ہی کے میدان میں اتریں اور انہوں نے بے حجاب عورتوں کو اپنی دعوتی مہمات اور ویڈیوز میں ڈالا، تیونس اور ترکی میں مذہب کے علم بردار سیاست دانوں نے بعینہٖ کفار کا طریقہ اختیار کیا، کیا کچھ عرصہ قبل (۲۰۲۳ء) ہونے والے ترکی کے انتخابات کے اشتہارات و پروگرامات میں موجود عورتوں کے ظاہر کو دیکھ کر کوئی یہ بھی دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ مسلمان عورتیں ہیں۔ بہر کیف یہ ہماری مسلمان بہنیں ہیں اور ہم ان کے عفت و عافیت کی دعا اپنے رب سے کرتے ہیں۔ (مدیر)

اس میں ظلم وزیادتی کا احتمال زیادہ ہے، کیونکہ اس میں مختلف گروہوں کے حقوق کا احترام کرنے کی کوئی پابندی نہیں ہوتی، اور معاشی فیصلے تیزی اور بے رحمی کے ساتھ نافذ کیے جاسکتے ہیں۔

یہ حقیقت آج کے دور میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ جب دنیا میں شدید مالی بحران آیا تو جرمنی اور اٹلی نے فاشزم کو اپناتے ہوئے جمہوریت کو مکمل طور پر ترک کر دیا، کیونکہ آمرانہ طرزِ حکومت ان حالات کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ حتیٰ کہ امریکہ میں بھی کئی آمرانہ اقدامات اٹھائے گئے جیسے شہریوں سے زبردستی سونا ضبط کر لینا، اشیائے ضروریہ کی تقسیم، اور جاپانی نژاد امریکیوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں۔

جمہوریت کیوں دولت پر منحصر ہے؟ اس کے لیے طویل بحث و مباحثہ کی ضرورت ہے، اور یہ انحصار مخالفین سے پالیسیوں پر عمل درآمد کروانا اور بھی مشکل بنا دیتا ہے۔ مزید یہ کہ عوام کی تعلیم جتنی بہتر ہوگی، جمہوریت اتنی ہی فعال ہوگی اور اس تعلیم کے لیے وقت اور وسائل دونوں درکار ہوتے ہیں۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو سیاسی عمل میں مشغول رہنا پڑتا ہے۔ اور جب وہ ان سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں تو وہ معاشی پیداوار میں حصہ نہیں لے پاتے۔

جمہوریت کے اخراجات کا مشاہدہ خصوصاً الیکشن اور اس دوران چلنے والی مہم کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔ سیاستدان اپنی مہم چلانے کے لیے، تشہیری مواد کی چھپائی اور تقسیم، جلسوں، اور طاقتور حلقوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر رقم اکٹھی کرتے ہیں۔ کسی حکمران کو اقتدار میں لانا ایک بڑی سرمایہ کاری ہے جس پر علاقے کے وسائل کی ایک بڑی مقدار خرچ ہو جاتی ہے۔

یہاں اس نظام کی منافقت کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے۔ بھلے مسلمان اپنے وسائل کا بڑا حصہ خرچ کر کے کسی ایسے مسلمان امیدوار کو اقتدار میں لے آئیں جو دین پر اس درجہ سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہ ہو جتنا کہ اس سے مطالبہ کیا جارہا ہے، تو اس کو طاقت کے بل بوتے پر عہدے سے ہٹا دیا جائے گا۔ یعنی مسلمانوں کی یہ تمام تر سرمایہ کاری پلک جھپکنے میں ضائع ہوگئی۔ مصر والجزائر میں مسلمانوں کے ساتھ یہی کچھ ہوا تھا جب انہوں نے جمہوریت کے ذریعے اقتدار حاصل کیا۔

مسلمانوں کے وسائل کا رخ لاحاصل جمہوری سلسلوں کی طرف موڑنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے وسائل کا کم تر حصہ بھی ہماری مجموعی قوت بڑھانے پر خرچ نہیں ہوتا، جس میں ہماری عسکری اور استخباراتی صلاحیت بھی شامل ہے۔ مسلمان اپنا سرمایہ ایسے علاقوں کی مسلم افواج پر جہاں حقیقی معنوں میں شریعت نافذ ہے، لگانے کے بجائے انتخابی مہمات میں جھونک دیتے ہیں۔ وہ اپنی صلاحیتیں ان علاقوں میں اداروں کی تعمیر وترقی پر صرف کرتے ہیں جہاں ایسی حکومتیں اور نظام قائم ہیں جن کا حقیقی زور اصل اسلامی تعلیمات دبانے پر ہے۔

اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی سیاسی حیثیت و قوّت کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے ہجرت لازمی ہے، تو جمہوری پارلیمانوں میں شامل ہو کر جو چھوٹی چھوٹی رعایتیں حاصل کی جاتی ہیں وہ درحقیقت دارالاسلام کے قیام اور اس کی توسیع میں تاخیر کا سبب بنتی ہیں۔ مسجدوں کی تعمیر، سکولوں و یونیورسٹیوں میں حجاب اوڑھنے کی اجازت اور اسلامی سکولوں کی تعمیر جیسے چھوٹے چھوٹے حقوق مل جانے سے مسلمان ایسے علاقوں میں رہائش اختیار کرنے کے حوالے سے مطمئن ہو جاتے ہیں جہاں وہ اپنے اموال سے ایسی حکومتوں اور قانونی نظام کی حمایت و نصرت کر رہے ہوتے ہیں جو اسلام کے عین متضاد ہیں۔

جوں جوں مسلمان سیاست میں آگے بڑھنا شروع ہوتے ہیں، سیکولر افراد اور کفار میں ان کے خلاف رد عمل بڑھتا چلا جاتا ہے۔ چونکہ ان تمام ممالک میں سودی معاشی نظام رائج ہیں، لہٰذا جلد یا بدیر ان کو معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑے گا، اور جب یہ ہو گا تو پیچھے پیچھے تنازع اور تصادم بھی چلا آئے گا۔ ایسے موقع پر، جمہوریت بالعموم آمریت میں بدل جاتی ہے، اور فوجی طاقتیں، خواہ اندرونی ہوں یا بیرونی...... یا دونوں اکٹھی...... بے خبر مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیں گی اور ان کے اموال پر قابض ہو جائیں گی۔ اخوان المسلمون کے ساتھ بھی مصر میں یہی کچھ ہوا تھا، اپنا بہت سا سرمایہ کھو دینے کے بعد فوجی بغاوت کے نتیجے میں اقتدار سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور ان کی اکثر املاک بھی ضبط کر لی گئیں۔

اس کے برعکس اگر مسلمان ان مسلم ممالک کی طرف ہجرت کر جائیں جو شریعت کے نفاذ کے قریب تر ہوں اور ان کی مقامی معیشت کو مستحکم کریں تو اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ ان کی دولت طویل عرصے تک مسلمانوں کے زیرِ انتظام رہے۔ جمہوری نظام میں عدم شرکت کے باعث سیکولر و مغرب زدہ ممالک میں اگر مسلمانوں کے لیے حالات خراب

ہوں گے تو عام طور پر مسلمانوں کو ہجرت کے لیے مزید دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہجرت اگرچہ شروع میں زیادہ مشکل نظر آتی ہے، لیکن یہ مستقبل میں انہیں اس سے کہیں بدتر صورتحال سے بچالے گی۔

کمزوری کی حالت میں معاشی یا سیاسی طور پر مرکزی نیٹ ورک بنانا سمجھ سے بالاتر ہے، بالکل اسی طرح جیسے میدان جنگ میں اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور حریف کا براہ راست سامنا کرنا سمجھ سے بالا ہے۔ مرکزی نیٹ ورک ان ممالک میں بنانے چاہئیں جہاں طاقت کا خلا موجود ہو اور کفار کا اثر ورسوخ کمزور ترین ہو۔

جن لوگوں کے لیے ہجرت کر جانا ممکن نہیں، ان کے لیے ڈی سینٹرلائزڈ، بنیادی سطح کے نیٹ ورک قائم کرنا زیادہ معقول ہے۔ ان کو تبلیغ، تحائف کے تبادلے، اور باہمی پشت پناہی کے ذریعے بنایا جا سکتا ہے، اور جمہوریت سے مکمل آزادانہ طور پر الگ سے مضبوط نیٹ ورک بنا سکتے ہیں۔ اس طرح کے نیٹ ورکس کو ختم کرنا کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے بنسبت ان بڑے اور مرکزی نیٹ ورکس کے جو انتخابات کے لیے ضروری ہوتے ہیں، اور یہ تب واضح ہو گیا تھا کہ جب مصر میں سیسی نے کس آسانی کے ساتھ اخوان المسلمین کے نیٹ ورکس کو ختم کیا۔ اس طرح کے ڈی سینٹرلائزڈ نیٹ ورکس کو شدید مخالف حکومت یا قبضے کے خلاف غیر متوازن جنگ میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فوج

رینڈ کارپوریشن جیسے عسکری وانٹیلی جنس تحقیقی اداروں کی مسلم دنیا پر شائع ہونے والی رپورٹوں میں، مغربی تجزیہ کار (اپنی نظر میں) ان مسلمانوں کو بہترین قرار دیتے ہیں جو جمہوریت کو کھلے دل سے تسلیم کرتے اور اپناتے ہوں، اور ان کو بدترین قرار دیتے ہیں جن کا رویہ اس کے برعکس ہو۔ [۳۲] پس جب بھی وہ کسی ملک کو کنٹرول کرنا یا اس پر قابض

---

[۳۲] دیکھیے رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ *Civil Democratic Islam*، مصنفہ شیرل برنارڈ

ہونا چاہتے ہیں، تو وہ اس معاشرے کے صرف اس ہی طبقے کی حمایت کرتے ہیں جو سب سے بڑھ چڑھ کر جمہوریت کو اپنانے کا خواہاں ہو۔

میڈیا، انتخابی چکر، اور معاشی تسلط قائم کرنے کے طریقوں مثلاً فلاحی امداد اور معاشی فوائد کے ذریعے کفار کسی بھی حکمران پر دباؤ ڈال سکتے ہیں، اور اگر وہ تعاون نہ کریں تو ان کو بآسانی معاشی دباؤ اور پروپیگنڈہ کے ذریعے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یوں کفار بڑے مؤثر انداز میں مسلم ممالک کی باگ ڈور اسی طرح سنبھالتے ہیں جیسے آپ کسی گاڑی کا سٹئیرنگ وہیل۔

ایک دفعہ جب کوئی تعاون کرنے والا حکمران اقتدار میں آ جائے، تو جب تک وہ ملکی ترقی کو لبرل ورلڈ آرڈر کی منشا کے مطابق لے کر چلے، یہ اس کو معاشی فوائد (جو اس کو اقتدار میں رکھنے کے لیے مددگار ہو سکتے ہیں) کی پیشکش کرتے رہیں گے۔ یعنی ایسی پالیسیوں کی تنفیذ جو معاشرے کی مزاحمت کی صلاحیت کو ختم کر دیں، جیسے ٹیلی ویژن کا متعارف کرایا جانا، جو مغربی طاقت اور ثقافت کی چکاچوند کی ایک جھوٹی تصویر لوگوں کے ذہنوں میں بٹھاتا ہے۔

یہ عورت کو گھر سے باہر نکل کر کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں بانجھ پن اور طلاق کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے، اور خاندان کی اِکائی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے سماجی و ذہنی صحت بگڑتی چلی جاتی ہے، جو لوگوں کو مادہ پرستی کی گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہے، اور مادہ پرستی کا عروج یہ ہے کہ آپ لبرل ورلڈ آرڈر کے لیے اتنے کارآمد بن جائیں کہ یورپ و شمالی امریکہ کے طاقت کے مراکز کی طرف ہجرت کر جائیں یا کم از کم ان کی مصنوعات خریدیں اور ان کے فیشن کی پیروی کرتے رہیں۔

یہ "منظورِ نظر" حکمران ملک کے زرعی اور صنعتی شعبوں کی تنظیمِ نو کر کے ان ممالک کی معیشت کو درآمدات پر انحصار کرنے والا بنا دیتے ہیں۔ جتنا زیادہ مسلم ممالک مغربی درآمدات پر منحصر ہوں گے، مزاحمت کا امکان اتنا ہی کم ہوتا چلا جائے گا، کیونکہ ان کو بغیر کسی فوجی مداخلت کے محض پابندیوں کے ذریعے ہی لائن پر لایا جا سکتا ہے۔

یوں، جمہوریت بڑی حد تک مسلم ممالک پر قبضے کے دوران ہونے والے عسکری اخراجات کو کم کر سکتی ہے۔

تعلیم

کسی بھی سر گرمی میں مشغول ہونے کا ایک پہلو علم اور مہارت کی ترقی بھی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنا وقت ٹیلی ویژن پر مختلف پروگرام یا کھیلوں کو دیکھتے ہوئے برباد کرتا ہو، تو بھی اتنا ضرور ہو گا کہ وہ اپنے پسندیدہ پروگرام کے کرداروں یا اپنے پسندیدہ کھلاڑیوں کے بارے میں معلومات اور اعداد و شمار کے بارے میں آگاہی حاصل کر لے گا۔

اگر کوئی شخص لکڑیاں تراشنے میں مشغول رہتا ہے، تو وہ ایک بہتر کاریگر بن جائے گا۔ اگر کوئی تدریس کے شعبہ سے منسلک ہے، تو وقت کے ساتھ ساتھ ایک بہتر استاد بن جائے گا۔ اگر کوئی جنگ میں مشغول رہتا ہے تو وہ ایک اچھا جنگجو بن جائے گا۔

ایسے ہی جمہوریت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بھی کچھ خاص صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔ ان صلاحیتوں میں سفارتکاری اور اتحاد قائم کرنے کی سماجی مہارت، عوامی جذبات کا صحیح اندازہ لگانے کی صلاحیت، خطرات کا صحیح ادراک رکھنا، اور سیاسی نظام کے تحت قانونی سیاق و سباق کو سمجھنا شامل ہیں۔

پوری دنیا میں جمہوری حکومتوں کے سیاست دانوں کو چال باز اور دھوکہ باز سمجھا جاتا ہے، یہ خیال تقریباً پوری دنیا میں عام ہے۔ کیونکہ عوامی حمایت حاصل کرنے کے لیے وہ مسلسل اپنے بہروپ بدلتے رہتے ہیں۔ امریکہ میں ہونے والے چند سرویز میں یہ بات سامنے آئی کہ لوگ استعمال شدہ گاڑیوں کی خرید و فروخت کے کاروبار (ایک ایسا کاروبار جو دھوکے اور فریب کے لیے بدنام ہے) سے منسلک لوگوں کو سیاست دانوں سے زیادہ ایماندار سمجھتے ہیں۔

دھوکہ دہی جمہوریت میں ایک عمومی خصلت ہے، کیونکہ یہ جمہوریت میں آگے بڑھنے کے لیے ناگزیر ہے۔ رائے دہندگان کسی بھی امیدوار کو ووٹ اس لیے دیتے ہیں کہ وہ ان کی خواہشات اور ارمان پورا کرائے گا، فلہٰذا وہ امیدوار جو اپنی استطاعت سے بڑھ کر نعرے لگاتے اور وعدے کرتے ہیں، اور اس سب کو سبز باغ دکھاتے ہیں، جو وہ نہیں کر

سکتے، وہی ہمیشہ فتح یاب ہوتے ہیں۔ جو مسلمان جمہوریت میں حصہ لیتے ہیں وہ عموماً جھوٹ بولنے کا کوئی نہ کوئی جواز پیش کرتے ہیں، کیونکہ یہ جمہوریت میں آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ صِدِّيقًا وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ كَذَّابًا

"سچ نیکی اور اچھائی کے راستے پر لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، ایک آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق وفجور (جہنم کی) آگ کی طرف لے جاتا ہے اور ایک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔"[۳۳]

جمہوری سیاست میں وسیع پیمانے پر ہونے والی دھوکے بازی کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر جمہوری عمل سے بے اعتنائی اور مایوسی پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ انتخابی مہم کے دوران کیے جانے والے وعدوں کو بار بار توڑا جاتا ہے، اور اکثر لوگ تمام سیاستدانوں کو بدعنوان اور غیر مخلص سمجھنے لگتے ہیں۔ تاریخی طور پر بھی جمہوریت ہمیشہ بالآخر ناکام ہی ہوئی ہے، اور ہر مرتبہ اس کی جگہ مزید آمرانہ طرزِ حکومت نے لی ہے۔

جمہوریت میں شرکت سے جو صلاحیتیں پیدا کی جاتیں ہیں وہ کسی ایسے ملک میں جہاں نظامِ حکومت آمریت کی طرف منتقل ہو رہا ہو، کسی کام کی نہیں ہیں۔ جب مشکل حالات آتے ہیں تو طاقت کی زبان ہی سب سے کارآمد ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ایسی صلاحیتیں، علم اور تعلقات پیدا کرنا جو پُر تشدد تصادم میں انسان کی مدد کر سکیں کہیں زیادہ کارآمد ہیں۔

---

[۳۳] صحيح مسلم حديث: ٢٦٠٧

یکجہتی

عموماً، جتنا زیادہ مغربی سامراجی بیانیہ کسی ملک میں سرایت کرے گا، اتنا ہی وہ ملک پوری طرح جمہوری ہوتا جائے گا۔ کسی ملک میں ہونے والی معاشی سرگرمی اس کی قوت میں حصہ ڈالتی ہے، اور انتخابی مہمات پر خرچ کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

تقریباً ہر جگہ جہاں مسلمانوں نے جمہوریت کے ذریعے اقتدار حاصل کرنا چاہا، وہ وہاں اقلیت میں ہیں۔ حتیٰ کہ ترکی میں اے کے پی، جو دنیا کی بڑی "اسلامی" پارٹیوں میں سے ایک ہے، وہ بھی پارلیمان میں اقلیت میں ہیں۔ یعنی ایک نام نہاد "اسلام پسند" صدر ہونے کے باوجود بھی ملک بڑی حد تک سیکولر قوانین ہی کے تابع ہے۔ مطلب یہ کہ مخلص مسلمانوں کی طرف سے ملک کو 'اسلامی' بنانے کے لیے کی جانے والی تمام تر کوششیں بھی دراصل اس سیکولر ایجنڈے کو ہی فائدہ پہنچاتی ہیں جو اتاترک کے زمانے سے حکومتی میکانزم کا حصہ بن چکا ہے۔

اس کے برعکس ان ممالک کو دیکھیے جو شریعت کے نفاذ کے قریب تر ہیں، اور جہاں نفاذِ شریعت کی حمایت سب سے زیادہ ہے۔ افغانستان، صومالیہ، یمن، مالی، پاکستان وغیرہ۔ تقریباً ان تمام مثالوں میں یہ ممالک شدید مالی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کفار ان پر اپنے "انسانی حقوق" کے جھوٹے اور مسخ شدہ تصورات کے بت کے آگے سجدہ ریز نہ ہونے کی وجہ سے دباؤ ڈال رہے ہیں۔

ان ممالک کو مدد کی اشد ضرورت ہے۔ ان ممالک کی طرف سفر کرنے اور وہاں اسلامی نظام کے قیام کے کام میں مدد کرانے سے وہاں رہنے والے مسلمانوں کو ٹھوس سماجی و معاشی فوائد حاصل ہوں گے، بالکل اسی طرح جیسے انتخابی مہمات کی تائید و حمایت سے جمہوری معاشروں کو ٹھوس سماجی و معاشی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

اپنے وسائل کو انتخابات میں لگانا کفار کی معیشت کو ترقی دیتا ہے، کیونکہ یہ سارا پیسہ ان ممالک اور ان صنعتوں کے پاس جاتا ہے جو پہلے ہی کسی نہ کسی درجے میں ان کے کنٹرول اور اختیار میں ہیں۔ یوں اس سے مسلمان کمزور اور ہمارے

دشمن مضبوط ہوتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف اپنے اموال جہاد میں لگانا مسلمانوں کو مضبوط اور کفار کو کمزور کرتا ہے، کیونکہ اس طرح سرمایہ کفار کی معیشت سے نکل کر ان علاقوں میں آجاتا ہے جو ان کے زیرِ تسلط نہیں ہیں۔

اگر براہِ راست عسکری مدد ممکن نہ بھی ہو، پھر بھی ان علاقوں میں جہاں فعال مزاحمت جاری ہو وہاں فلاحی امداد بھیجنا بھی بڑے فوائد کا حامل ہو سکتا ہے۔ فلاحی امداد جنگ کا ایک اہم حصہ ہے، اور اسلام کے خلاف جنگ کا ایک بڑا حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمن عام مسلم عوام کو غذائی اور طبی امداد فراہم کرتے ہیں، لیکن اس امداد کو ترکِ شریعت اور جمہوریت کو قبول کرنے سے مشروط کرتے ہیں۔ یوں ان مسلمان علاقوں کی مدد کرنا جو شریعت سے قریب تر ہیں، اور جو امداد کے سب سے زیادہ مستحق بھی ہیں، ان کی حمایت کرنا براہ راست کفار کی اس قوت کو کم کرتا ہے جو کفار اپنی انسانی امداد کے ذریعے مسلم علاقوں پر قائم کر سکتے ہیں۔

بیشتر مسلمان اس طرح کی حمایت سے ہچکچاتے ہیں کیونکہ وہ اس کے قانونی نتائج سے گھبراتے ہیں۔ ظاہر ہے! آپ کے خیال میں کفار ایسی سرگرمیوں کی اجازت دیں گے جو مسلمانوں پر ان کے غلبے کو ختم کرنے کا باعث بن سکتی ہوں؟ مگر جتنے زیادہ مسلمان ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہوں گے، اتنا ہی ان کاموں کے کرنے والوں کو پکڑنا اور سزا دینا مشکل ہوتا جائے گا۔ مزید یہ کہ، ہر دفعہ جب کوئی ان سرگرمیوں میں ملوث پکڑا جائے گا، تو اس سے دیگر لوگوں کے علم میں اضافہ ہو گا کہ مستقبل میں پکڑے جانے سے کیسے بچا جا سکتا ہے اور یوں یہ علم آگے بھی پھیلتا جائے گا۔

یہ خوف جو انسان اُن کاموں کے کرتے ہوئے محسوس کرتا ہے جس سے کفار ناخوش ہوں، درحقیقت ایک آزمائش ہے۔

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ○

”اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے (کبھی) مال و جان اور

پھلوں میں کمی کر کے اور جو لوگ (ایسے حالات میں)
صبر سے کام لیں ان کو خوشخبری سنادو۔"[۳۴]

جتنا ہمارا ایمان مضبوط ہو گا، اتنا ہی ہم قربانی دینے کو تیار ہوں گے، لیکن یہ قربانیاں ہرگز بھی کوئی نقصان نہیں ہیں۔ جو چیز بھی ہم اللہ کی خاطر چھوڑنے پر تیار ہوں گے، اللہ اس کے بدلے اس سے بہتر عطا فرمائیں گے۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ وَأَبِي الدَّهْمَاءِ قَالَا أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقُلْنَا هَلْ سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّكَ لَنْ تَدَعَ شَيْئًا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا بَدَّلَكَ اللَّهُ بِهِ مَا هُوَ خَيْرٌ لَكَ مِنْهُ.

ابو قتادہ اور ابو دَہماء رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم ایک دیہاتی آدمی کے پاس پہنچے اس نے بتایا کہ ایک مرتبہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے وہ باتیں سکھانا شروع کر دیں جو اللہ نے انہیں سکھائی تھیں اور فرمایا تم جس چیز کو بھی اللہ کے خوف سے چھوڑ دو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا۔[۳۵]

ایسی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا انتخاب کرنا جو صرف مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ہوں بذاتِ خود ایمان کا حصہ ہے، کیونکہ مسلمانوں کے لیے محبت ایمان کا حصہ ہے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔[۳۶]

[۳۴] سورة البقره: ۱۵۵
[۳۵] مسند احمد حديث: ۳۰۷۰
[۳۶] صحيح البخارى حديث: ۱۳

جغرافیہ

یہ ایک معروف و مسلّمہ حقیقت ہے کہ یہود و نصاریٰ نے مسلم علاقوں کو اس طرح تقسیم کیا کہ اس کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں کو جس قدر ممکن ہو کمزور کیا جا سکے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا ".فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ :"بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ! وَلَيَنْزَعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ"، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ"حُبُّ الدُّنْيَاوَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ".

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسا وقت آنے والا ہے کہ دوسری امتیں تمہارے خلاف ایک دوسرے کو بلائیں گی، جیسے کھانے والے اپنے پیالے پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں"۔ تو کہنے والے نے کہا: کیا یہ ہماری ان دنوں قلّت اور کمی کی وجہ سے ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ تم ان دنوں بہت زیادہ ہو گے، لیکن جھاگ ہو گے جس طرح کہ سیلاب کا جھاگ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا"۔ پوچھنے والے نے پوچھا: 'اے اللہ کے رسول! وہن سے کیا مراد ہے؟'، آپ ﷺ نے فرمایا: "دنیا کی محبت اور موت کی کراہت"۔[٣٧]

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ نو آبادیاتی دور میں ہونے والی مسلم علاقوں کی تقسیم کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ جس طرح سے ان علاقوں کو تقسیم کیا گیا وہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے دستر خوان پر بیٹھے ہوئے لوگ کسی کھانے کو آپس میں

[٣٧] سنن ابی داود حدیث: ۴۲۹۷

بانٹیں۔ بہرحال، جدید دور میں پیش آنے والے واقعات اور اس حدیث میں بیان ہوئی تفصیلات میں بعض مماثلتیں موجود ہیں۔

مسلم علاقوں کی تقسیم، مسلمانوں کو کمزور اور محکوم رکھنے کی مؤثر ترین حکمت عملیوں میں سے ایک ہے۔ قوّت اتحاد و اتفاق میں ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں متفق و متحد رہنے کا حکم دیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ ○

"اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔"[۳۸]

جمہوری نظام میں شرکت و شمولیت کے خطرناک نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ان غیر فطری قومی ریاستوں کو مضبوط کرنے میں اپنا حصّہ ڈالنے لگتے ہیں، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی من حیث الامّہ اتفاق و اتحاد سے نظامِ دنیا میں حصّہ لینے کی صلاحیت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

جمہوریت میں شرکت کا مطلب ایک ملکی حکومت کے اندر رہتے ہوئے طاقت و اقتدار کے حصول کے لیے مقابلہ و کوشش کرنا ہے، اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ حکومت اور اس کا انتخاب کرنے والوں کو خدمات فراہم کی جائیں۔ حکومت اس بات کی ذمّہ دار ہے کہ وہ ان سرحدوں کو نہ صرف قائم رکھے بلکہ مزید مضبوط کرے جنہوں نے امت کو

[۳۸] سورة آل عمران: ۱۰۳

ٹکڑوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور ہمیں دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل ہونے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ جو کوئی بھی اس حکومت کی حمایت کرتا ہے، وہ درحقیقت ان سرحدوں کی بھی حمایت کرتا ہے جو اس حکومت نے قائم کر رکھی ہیں۔ یہ فرائض اور ذمّہ داریاں قانون کا حصّہ بن چکی ہیں، لہٰذا ایسی حکومت کے لیے کام کرنے سے بھلے چند اسلامی حقوق حاصل کر بھی لیے جائیں، تو بھی یہ لازم ہو گا کہ تمام کام قومی آئینی حدود میں رہتے ہوئے کیے جائیں۔

ذرا تصور کیجیے کہ ایک متحد قوم کیسے کام کرتی ہے۔ اگر کوئی ایک علاقہ کسی قدرتی آفت مثلاً زلزلہ یا طوفان سے متاثر ہو تو ایسی صورت میں مرکزی حکومت پورے ملک سے وسائل کشید کر کے اس متاثرہ علاقے کی امداد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اسی طرح امت مسلمہ کے لیے بھی اپنے کام بطریقِ احسن انجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے وسائل کو اس سمت میں استعمال کر سکیں کہ جہاں ان کی ضرورت ہے۔ کیونکہ امّت ایک جسدِ واحد کی مانند ہے، اگر جسم کا ایک حصّہ بیمار ہو تو پورا جسم اس کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایک متحد وجود وسائل کو مؤثر طور پر اس جگہ استعمال کر سکتا ہے جہاں ان کی ضرورت ہو، اور اس طرح وہ پورے جسم کو مضبوط کرتا ہے اور اس کی نگہداشت کرتا ہے۔

جمہوری نظام کے اندر رہتے ہوئے کام کرنے کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کے وسائل کا رخ اوّلاً و ترجیحاً اس قومی ریاست کے مفادات حاصل کرنے کی جانب ہو گا۔ اگر یہ وسائل دینی مقاصد کے لیے استعمال ہوئے بھی تو وہ مقاصد اس قومی ریاست کی قومی حدود یا قومی مفادات کے اندر مقیّد و محدود ہوں گے، اور اگر مسلمان سیاستدانوں نے ان وسائل کو خالصتاً دینی بنیادوں پر اپنی قومی سرحدوں کے باہر دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی مدد و نصرت کے لیے استعمال کرنا چاہا تو بھی یہ کام کرنے کے لیے انہیں حکومت میں شامل دیگر عناصر کی حمایت و موافقت درکار ہو گی، جن میں سے کئی اسلام اور مسلمانوں کے لیے کسی قسم کا جذبۂ ہمدردی نہیں رکھتے۔

یہ ایک اور نقصان ہے ایک ایسے نظام کا حصّہ بن کر کچھ قوّت حاصل کرنے کی کوشش کی خاطر وسائل اور سرمایہ لگانا کہ جس میں طاقت و اقتدار کفار اور فسّاق کے ساتھ بانٹنا ہو گا۔ اگر یہی وسائل ایسی اسلامی تحریکات کی تقویت کے لیے صرف ہوں جو کھلے فُسّاق اور کفار کو طاقت و اختیار کے مناصب تک آنے کا راستہ ہی نہیں دیتیں، تو مسلمان کے

ہاتھ اپنی طاقت و وسائل کو مطلوبہ جگہوں پر استعمال کرنے کے لیے کھل جائیں گے، چنانچہ امّت کے اتحاد اور قوّت میں اضافہ ہو گا۔

ایسی تحریک جو قومی ریاستی حدود کی پابندیوں سے آزاد ہو، ممکن ہے اس کے پاس اسلامی مقاصد پر خرچ کرنے کے لیے زیادہ سرمایہ نہ ہو۔ لیکن اس کے پاس اپنے وسائل اور سرمائے کو ایسے کاموں اور جگہوں پر صرف کرنے کے مواقع کئی گنا زیادہ ہوں گے کہ جہاں سرمائے کا استعمال بیک وقت زیادہ مفید و مؤثر ہونے کے ساتھ ساتھ کفار و منافقین کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

قومیت

جمہوریت پر ہونے والی بعض تنقیدوں کا دائرۂ کار صرف ملکی سطح تک محدود ہوتا ہے، لیکن درحقیقت قوم کا یہ جدید تصور بذاتِ خود ایک جمہوری تصور ہے، اور اسے عالمی سطح پر تسلیم کرنے یا قومیت کے اس نمونے کو استعمال کرنے کی کوشش کرنے کی صورت میں ہم انہی اندھی کھائیوں میں جا گرتے ہیں جیسا کہ ملکی جمہوریت میں۔

بین الاقوامی قوانین کے تناظر میں، قومیں ریاستیں تب (اپنی آزادی و خود مختاری کا) قانونی جواز حاصل کر پاتی ہیں جب دیگر آزاد و خود مختار ریاستیں انہیں تسلیم کر لیں۔ یہ دیگر خود مختار ریاستیں آزاد و خود مختار کیونکر ہو پائیں؟ تو یہ ایک ایسے قانونی قاعدے کے نتیجے میں آزاد و خود مختار بنیں جو خدا کے بجائے انسانوں کا تخلیق کردہ ہے۔ وہ اوّلین اقوام جن کو اس طرز پر آزادی ملی وہ یورپ کی اقوام تھیں، اور پھر وہاں سے ان قانونی قواعد و معیارات کو باقی دنیا میں برآمد کیا گیا۔ چونکہ یورپی ممالک نے زیادہ تر ایسی ہی اقوام کی آزادی تسلیم کی جو یورپی مفادات سے میل کھاتی تھیں، لہٰذا قوموں کے اس الیکٹوریٹ (انتخاب دہندگان کا گروہ) کا کردار شروع سے ہی بعض مخصوص اقدار و مفادات کے ایک مجموعے کے مطابق ڈھالا گیا ہے۔

دیگر ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات ٹوٹ جانے کی صورت میں بھی ایک ملک اپنی قانونی حیثیت کھو سکتا ہے۔ یہ حیثیت کھو جانے سے ایک ملک کو شدید معاشی اور سیاسی نتائج کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، جس کے باعث اس کی تجارت

اور اس کے شہریوں کی سفر کی صلاحیت متاثر ہو سکتی ہے۔ یوں بین الاقوامی برادری قومی حکومتوں پر کوئی مخصوص رویہ اپنانے کے لیے دباؤ ڈال سکتی ہیں، اور یوں اس حکومت (اور نتیجتاً اس کے تحت جیتے عوام) کی پالیسیوں اور رویّوں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتی ہیں۔

افراد کی سطح پر، ریاست کے سامنے تسلیم و رضا کا اظہار ہمہ وقت زیر نگرانی رہنے کو قبول کر لینے اور ریاست کی جانب سے فراہم کردہ مراعات تک رسائی چاہنے سے ہوتا ہے۔ یہ کیسے کیا جاتا ہے؟ یہ ریاست کے پاس اپنی پیدائش اور رہائشی تفصیلات رجسٹر کرانے سے ہوتا ہے، جو کہ ریاستی بالادستی تسلیم کرنے کا خاموش اقرار ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ادارے یا ہئیت کے اختیار کو منظور اور تسلیم نہیں کرتا تو وہ قطعاً اپنی شخصی معلومات اور تفصیلات اس بااختیار ادارے یا ہئیت کو فراہم نہیں کرے گا۔

ریاست کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری کا یہ تعلق ایک شہری کی زندگی میں حکومتی نمائندوں، جن میں ڈاکٹر، اساتذہ، پولیس افسر، جج، اور دیگر انتظامی افراد مثلاً رجسٹرار و پٹواری حضرات اور ٹیکس اکٹھا کرنے والے شامل ہیں، سے تعامل کے نتیجے میں مزید گہرا اور پختہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ تعامل کی ان اکثر انواع کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ پیدائش کے اندراج کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس طرح ریاست اپنے شہریوں پر بین الاقوامی نظام کی مرضی کو مسلط کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ قومی یا ریاستی جواز اسی علاقے یا حکومت کو عطا کیا جاتا ہے جو بین الاقوامی نظام کے لیے مناسب درجے میں تسلیم و اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور ریاست کے اندر شہریت انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو ریاست کے سامنے مطلوبہ حد تک تسلیم و اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

عالمی نظام میں قبولیت حاصل کرنا ایک دوطرفہ معاملہ ہے۔ ایک ریاست اس نظام میں شرکت کر کے قانونی حیثیت حاصل کر سکتی ہے، لیکن یہ کرتے ہوئے وہ خود اس طریقۂ کار (یعنی اس نظام) کو قانونی جواز عطا کرتی ہے۔ یعنی اس نظام سے اپنی قانونی حیثیت تسلیم کروانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نظام کی قانونی حیثیت اور اختیار تسلیم کرتے ہیں، اور اس نظام کی حیثیت و اختیار کو تسلیم کرنے کا مطلب ہے کہ آپ اس نظام کے رائج اور نافذ کردہ قوانین اور

معیارات کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ وہ معیارات اور قوانین ہیں جو اس نظام میں شمولیت اختیار کرنے والی ریاستوں نے وضع کیے ہیں اور وہی ان کی قانونی حیثیت و قوّت کی بھی ضامن ہیں۔ فلہٰذا عالمی نظام کے تحت اپنی قانونی حیثیت تسلیم کروانے کی کوشش سے یہ لازم آتا ہے کہ ان دیگر ریاستوں کا کردار بحیثیت واضعِ قانون بھی تسلیم کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ قوانین کئی مقامات پر شریعت سے متصادم ہیں، جو اس نتیجے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عالمی نظام میں شمولیت اختیار کرنا بذاتِ خود اسلام سے مطابقت نہیں رکھتا، اور یہ کہ قانونی طور پر تسلیم شدہ ریاستیں بذاتِ خود طواغیت یا معبودانِ باطل ہیں جن کو عبادت میں اللہ کے ساتھ شریک کیا جاتا ہے۔

ریاستی جمہوریت میں رائے دہندگان قانون سازی کا وہ اختیار جو کہ خالصتاً اللہ کا حق ہے اپنے منتخب نمائندوں کو عطا کرتے ہیں۔ عالمی نظام میں، ریاستیں ایک دوسرے کو قانونی سازی کا اختیار عطا کرتی ہیں۔ دونوں صورتوں میں انسان وہ کام کر رہے ہیں جس کو کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں......ایک ایسا اختیار جو اللہ ہی کے لیے خاص ہے، اسے ما سوا اللہ کے کسی اور کو عطا کر دینا۔

جمہوریت اور تکفیر پر ایک ملاحظہ

جمہوریت کا راستہ وہ راستہ نہیں ہے جسے میں کسی بھی مسلمان کے لیے پسند کروں گا۔ البتہ جو لوگ اس راستے کو جائز و مباح سمجھتے ہیں، میں ان کی تکفیر پر بھی کوئی حتمی موقف اختیار نہیں کر سکتا۔ ہمارے دور کے بعض علمائے کرام نے جمہوریت اختیار کرنے کو بعض مخصوص حالات میں جائز قرار دیا ہے، اور میں اتنا علم نہیں رکھتا کہ حتمی طور پر یہ کہہ سکوں کہ وہ صحیح ہیں یا غلط۔

بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر بھی یہ مسئلہ دھندلا سا گیا ہے۔ جمہوریت کی مخالفت ان علماء میں بطورِ خاص نمایاں ہے جو سعودی سلفی مکتب فکر سے وابستہ ہیں۔ ایک بادشاہت کی حیثیت سے آلِ سعود میں جمہوری انقلاب کے امکان کے حوالے سے کافی تشویش اور بے چینی پائی جاتی ہے، اور اس تشویش اور بے چینی کا اثر سعودی مذہبی اسٹیبلشمنٹ اور پھر آگے اس سے جڑے عالمی نیٹ ورک پر بھی پڑا ہے۔

تاریخی اعتبار سے سعودی مذہبی اسٹیبلشمنٹ تکفیر میں شدت اختیار کرنے اور مسلمانوں کا خون ناحق بہانے کے سبب تنقید کا نشانہ بنتی رہی ہے۔ ان میں سے بعض اعتراضات بجا ہو سکتے ہیں، جبکہ دیگر یقینی طور پر مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں۔ ان کے دفاع میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو تکفیر میں غیر ضروری تاخیر کرتے ہیں جبکہ وہ ناگزیر ہو، تو انہوں نے مسلمان عوام کو اپنے بیچ موجود کفار کے دھوکہ باز ایجنٹوں کے خلاف اکٹھا اور متحد کرنے میں ناکام رہ کر امت کو کم از کم اتنا ہی نقصان پہنچایا ہے، جتنا کہ کفار کے ان ایجنٹوں نے پہنچایا ہے۔

بہر حال، اس موضوع کا جائزہ لیتے ہوئے، یہ ضروری ہے کہ اس بحث میں موجود سیاسی پہلوؤں سے آگاہی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے مسلمان موجود ہیں جو جمہوریت میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر میں غلو کی حد تک چلے گئے۔ ہمیں اس معاملے میں اعتدال پر قائم رہنے کے لیے بہت محتاط اور کوشاں ہونا چاہیے۔ ہمیں جمہوریت پر تنقید کو ترک نہیں کرنا چاہیے کہ بے شک یہ جاہلیت کا ایک بے ہودہ نظریہ ہے۔ اس کے باوجود ہم نے حالیہ دہائیوں میں اس مسئلہ پر مسلمانوں کے مابین کافی اختلاف و تنازع پیدا ہوتا دیکھا ہے، اور ہمیں ان مسلمانوں پر کوئی بھی فتوی یا لیبل لگانے سے پہلے بہت احتیاط برتنی چاہیے جو ضرورت کے تحت جمہوریت کے جواز کے قائل ہیں۔

مجھے امید ہے کہ یہ تحریر مسلمانوں کو ایسے مزید فکر طلب معاملات دکھائے گی جن پر ان کو جمہوریت میں شرکت کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے غور و فکر کرنا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی طرح کے حالات میں جمہوریت میں حصہ لینے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے، اور یہ کہ توحید (کی سالمیت) کے لیے لازم ہے کہ ایسے نظاموں سے نفرت کی جائے اور ان سے عداوت کا رویّہ روا رکھا جائے۔ البتہ جب بات ان مسلمانوں کی ہو جو ان نظاموں میں حصہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کو شک کا فائدہ دینا چاہیے، صبر و تحمل اور خلوص و محبت سے ان کو سمجھانا چاہیے، کیونکہ ممکن ہے کہ ہم پوری طرح سے ان کے حالات، نقطۂ نظر اور علمی سطح کے بارے میں نہ جانتے ہوں۔

ہاں اگر مسلمان بہتر متبادل میسر ہونے کے باوجود، جمہوریت میں شریک ہونے کے منہج پر مُصِر ہوں اور سمجھانے کے باوجود اسی راستے پر جمے رہیں تو بعض حالات میں مناسب ہو گا کہ ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اگر انہیں ایسے راستے اور طریقے میسر ہوں جو سنت سے قریب تر ہیں، لیکن وہ انہیں انحراف اور گمراہی کہہ کر ردّ کریں اور انہیں بدنام کریں تو ضروری ہے کہ ان کے شر سے بچایا جائے اور ان کے خلاف عامۃ المسلمین کو خبردار کیا جائے۔

مزید وضاحت کے لیے، ہم جمہوریت میں شرکت کرنے والے لوگوں کو چار گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱) وہ جو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہجرت و جہاد غلبۂ اسلام کا ایک بہتر راستہ ہے، لیکن ان کا کہنا ہے کہ وہ قلّتِ استعداد یا ایمان کی کمزوری کے سبب جمہوریت میں شرکت کرتے ہیں۔

۲) وہ جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ موجودہ حالات میں جمہوریت غلبۂ اسلام کا درست طریقہ ہے، لیکن ساتھ ہی جو لوگ ہجرت و جہاد کی طرف دعوت دیتے ہیں، ان کی فکر و نظر کو ان کے جائز و درست اجتہاد کے طور پر قبول کرتے ہیں۔

۳) وہ جن کا دعویٰ ہے کہ آج کے حالات میں جمہوریت ہی غلبۂ اسلام کا صحیح راستہ ہے اور ہجرت و جہاد میں مصروف اور ان کی طرف دعوت دینے والوں کی مخالفت کرتے ہیں اور ان پر درست طریقے سے انحراف یا 'دہشت گردی' کا الزام لگاتے ہیں۔

۴) وہ جن کا ماننا ہے کہ جمہوریت شرک نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر اسلام سے مطابقت رکھتی ہے۔

ان میں سے ہر ایک کا انحراف پچھلے (گروہ) کی نسبت زیادہ ہے، جبکہ چوتھا تو اس انحراف میں سب سے شدید ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ پہلے سے زیادہ احتیاط سے تعامل کرنے کی ضرورت ہے، نیز ان سے برتاؤ ان کی جمہوریت کی طرف داری اور حمایت کی شدت کے مطابق کیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ پہلے دو کے لیے صرف نصیحت ہی کافی ہو، جبکہ آخری دو کے حوالے سے کم از کم خبر دار کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ لوگوں کو اپنے نظریات کی طرف دعوت دیتے رہیں، تو مناسب ہو گا کہ ان کی تکفیر کرنے، نہ کرنے کے معاملے میں مستند علماء کی رائے لی جائے، یا کسی حقیقی اسلامی قوّت کی طرف سے متعین کردہ قاضی کو ان کے نظریات کے ثبوت فراہم کیے جائیں، اس کے حکم کا اعلان ہو اور پھر اگر حد جاری کرنے کی صلاحیت ہو تو یہ بھی کیا جائے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جمہوریت کا مسئلہ ایسا واضح نہیں ہے کہ اس پر کوئی بھی اٹھ کر خود سے کسی گروہ یا فرد کی تکفیر کر سکے۔ جو لوگ یہ اہلیت نہیں رکھتے کہ وہ تکفیر کا فتویٰ دے سکیں انہیں کسی کی بھی انفرادی طور پر تکفیر سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنے طور پر حد نافذ کرنے سے باز رہنا چاہیے، بلکہ یہ معاملہ جید وراسخ علمائے کرام اور حقیقی اسلامی حکّام پر چھوڑ دینا چاہیے۔ عام افراد اور ابتدائی درجے کے طلبہ کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جمہوری نظام، جمہوریت میں شرکت اور اس کی طرف بلانے کے عمل کا کفر بیان کریں۔ اس سے بیزاری کا اظہار کریں، اپنے دل میں اس سے اور اس میں شرکت کرنے والوں کے اس فعل سے نفرت کے جذبات رکھیں، اور اس نفرت کا ظاہری اظہار بھی کریں، بالکل اسی طرح جیسے ایک صاحبِ ایمان اسلام اور مسلمانوں کے لیے محبت کو محسوس کرتا اور اس کا اظہار کرتا ہے۔

اختتامیہ

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو میرے لیے اور جو کوئی بھی اس کو پڑھے اس کے لیے اصلاح کا باعث بنائیں، اس کو مسلمانوں کے لیے فائدہ مند بنائیں، اور اس کی غلطیوں اور شر ور سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ اے اللہ، مسلمانوں کے دلوں میں اپنے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت کی محبت اور جاہلیت کے طور طریقوں کی نفرت ڈال دیں۔ اے اللہ، ہمیں توحید پر جینے مرنے والا بنا دیں، ہم قوانینِ شریعت کے قیام، نفاذ، اور اطاعت سمیت زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی تمام تر صلاحیت کے ساتھ اکیلے آپ کی عبادت کی کوشش کریں۔

اے اللہ، ہمیں اپنے بھائیوں کی اصلاح اور نصیحت میں عاجزی، اخلاق، اور حکمت عطا فرما دیں، اور ہمیں وہ عاجزی عطا فرما دیں کہ ہم حق پر مبنی نصیحت کو قبول کر سکیں چاہے وہ حکمت، اخلاق اور عاجزی کے بغیر ہی کیوں نہ کی گئی ہو۔ اور ہمیں شریعت کے سائے تلے زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور اپنی شریعت کی رحمت پوری دنیا پر پھیلا دیجیے اور ایمان والوں کو اپنے غضب سے بچا لیجیے۔

اور درود و سلام ہو آخری نبی مصطفیٰ ابن عبد اللہ ﷺ پر، آپ ﷺ کے گھر والوں پر، اور آپ ﷺ کے اصحاب پر اور جو کوئی بھی یوم آخر تک اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرے۔

والحمدلله رب العالمين!

☆☆☆☆☆

محمد ابراہیم لَڈوِک (زید مجدہ) ایک نو مسلم عالمِ دین ہیں جنھوں نے عالَمِ عرب کی کئی جامعات میں علم دین حاصل کیا۔ موصوف نے کفر کے نظام اور اس کی چالوں کو خود اسی کفری معاشرے اور نظام میں رہتے ہوئے دیکھا اور اسے باطل جانا، ثم ایمان سے مشرف ہوئے اور علمِ دین حاصل کیا اور حق کو علیٰ وجہ البصیرۃ جانا، سمجھا اور قبول کیا، پھر اسی حق کے داعی بن گئے اور عالَمِ کفر سے نبرد آزما مجاہدین کے حامی اور بھرپور دفاع کرنے والے بھی بن گئے (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ انہی کے الفاظ میں:

''میرا نام محمد ابراہیم لَڈوِک ہے (پیدائشی طور پر الیگزانڈر نیکولئی لڈوک)۔ میں امریکہ میں پیدا ہوا اور میں نے علومِ تاریخ، تنقیدی ادب، علمِ تہذیب، تقابلِ ادیان، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ بعد از نو آبادیاتی نظام، اقتصادیات، اور سیاسی اقتصادیات امریکہ اور جرمنی میں پڑھے۔ یہ علوم پڑھنے کے دوران میں نے ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر تحقیق کی جو دنیا کو متاثر کیے ہوئے ہیں اور اسی دوران اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جو حقیقتاً اور بہترین انداز سے ان مسائل کا حل لیے ہوئے ہے اور یوں میں رمضان ۱۴۳۳ھ میں مسلمان ہو گیا۔''

اللہ پاک ہمیں اور ہمارے بھائی محمد ابراہیم لڈوک کو استقامت علی الحق عطا فرمائے، آمین۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام، سیکولرازم، جمہوریت، اقامتِ دین و خلافت کی اہمیت و فرضیت اور دیگر موضوعات پر آپ کی تحریرات لائقِ استفادہ ہیں۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' شیخ محمد ابراہیم لَڈوِک (حفظہ اللہ) کی انگریزی تالیف 'The Democracy Trap' کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔